جامعہ مدنیہ (جدید) کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

جمادی الاولیٰ
سنہ ۱۴۲۲ھ

اگست
سنہ ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۹ | جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ ـ اگست ۲۰۰۱ء | شمارہ : ۸

مدیرِ اعلیٰ

سید محمود میاں

مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۳ روپے ـــــــ سالانہ ۱۵۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی ـــــ ۵۰ ریال
بھارت، بنگلہ دیش ـــــــ ۶ امریکی ڈالر
امریکہ، افریقہ ـــــــ ۱۶ ڈالر
برطانیہ ـــــــ ۲۰ ڈالر

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ـــــ سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہو گئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ ـــــ ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے

دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
پوسٹ کوڈ: ۵۴۰۰۰ موبائل: ۰۳۳۳-۴۲۴۹۳۰۱
فون: ۲۰۰۵۷۷ فون/فیکس: ۹۲-۴۲-۷۷۲۶۷۰۲
E-mail jamiamadaniajadeed@hotmail.com

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ـــــ ۳

درسِ حدیث ـــــ حضرت مولانا سید حامد میاںؒ صاحب ـــــ ۶

خطبہ صدارت ـــــ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب ـــــ ۲۱

تحریک احمدیت ـــــ ۲۹

فہمِ حدیث ـــــ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب ـــــ ۳۸

حاصل مطالعہ ـــــ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب ـــــ ۴۶

بزمِ قارئین ـــــ ۵۵

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم اما بعد!

اٹلی کے ساحلی شہر جنیوا میں جی۔ 8 نامی دُنیا کے امیر ترین ملکوں کی تنظیم کی تین روزہ کانفرنس جولائی کی ۲۲ تاریخ کو ختم ہوگئی اپنے اختتامی مشترکہ اعلان میں جی۔8 کے قائدین نے عزم کیا کہ وہ عالمگیریت کو فروغ دے کر غریب ملکوں کی مدد کریں گے اور باہم مل کر غربت، جہالت اور بیماریوں کا مقابلہ کریں گے جی۔8 کے رکن ممالک امریکہ برطانیہ فرانس جرمنی اٹلی کینیڈا جاپان اور رُوس ہیں ان رُکن ممالک میں ایک بھی مُسلم ملک شامل نہیں کیا گیا ہے جس سے جی 8 کی اصل حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اجلاس سے قبل امریکی صدر جارج بش نے کہا تھا کہ امیر ممالک غریب ملکوں کو قرضے دینے کی بجائے امداد دیا کریں مگر کانفرنس کے اختتام پر اس قسم کا کوئی عملی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ممالک غریب دُنیا میں اپنے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبہ سے خائف ہیں جی 8 کے قیام کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ کسی ترکیب سے غریب ممالک میں پیدا ہونے والے ردِّ عمل کو طفل تسلّیوں کے ذریعہ ٹھنڈا کر دیا جائے اور اگر کبھی کسی ملک کو امداد دینی بھی پڑ جائے تو اس مُلک کو اس امداد کے سہارے پنپنے کی راہیں پہلے ہی سے غیر محسوس انداز میں بند کر دی جائیں۔ ان یہود نواز عیسائی ممالک کا یہ طریقہ اگرچہ پہلے ہی سے چلا آ رہا ہے مگر جی 8 کے نام پہ دِل فریب نعروں کی آڑ میں پہلے سے بہتر منصوبہ بندی چونکہ حالات کا تقاضہ ہے اس لیے دُنیا کے یہ بڑے شیطان سر جوڑ کر بیٹھے ہیں تا کہ غریب بالخصوص مُسلم ممالک سے حاصل

ہونے والے جبری فائدے بدستور ملتے رہیں اور اگر کسی موقع پر مصلحت کے تحت تاوان سے دوچار ہونا پڑ جاتا ہے تو جی۔ 8 کے شرکا اس کو باہم تقسیم کرکے اپنے نقصان کو کم سے کم کر دیں ـــ

ـــــــــــــــ ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے ترقی پذیر ممالک پر بہت پہلے سے عائد تجارتی پابندیاں ان کے جبرو استبداد کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں غریب ممالک کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنا ہر مال جتنا چاہیں عالمی منڈیوں میں لے جائیں بلکہ اُن کے لیے ایک مخصوص حد تک مال عالمی منڈی میں لانے کی اجازت ہوتی ہے بعض اوقات اس میں مُدّت کی بھی قید ہوتی ہے اور یہ کہ مال خام ہی ہونا چاہیے یا نیم تیّار اور اس مال کی قیمت بھی کم سے کم کرکے یہ ہی ممالک مقرر کرتے ہیں پھر اس مال سے فنشڈ پروڈکٹ اپنی من مانی قیمت پر مارکیٹ میں لاتے ہیں۔ ان حالات میں غریب ممالک کو ترقی کی اعلیٰ منازل سے کوسوں دُور کر دیا جاتا ہے اپنی رہی سہی تجارتی ساکھ کو جاری رکھنے کے لیے صنعتی مشینری کو ترقی یافتہ ممالک ہی سے ان کی سخت شرائط پر خریدنا پڑتا ہے گویا جو مال ان عالمی درندوں کو بیچا جاتا ہے اور جو اُن سے خریدا جاتا ہے وہ انہی کی شرائط اور منشا کے مطابق ہوتا ہے جس سے ان ممالک کے زرِمبادلہ کے ذخائر میں دن بدن کمی آتی چلی جاتی ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ جب ان کا دل چاہتا ہے تو غریب ممالک پر چائلڈ لیبر اور اس قسم کے دوسرے بہانے بنا کر تجارتی پابندیاں بھی لگا دیتے ہیں اور دُنیا کو یہ جھُوٹا تأثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم تو غریبوں کے مائی باپ اور عالمی فلاح کے علمبردار ہیں۔ عالمگیریت کے فروغ سے درحقیقت ان کی مُراد پُورے عالم پر اپنی اجارہ داری اور دھونس کو قائم رکھنا ہے۔ ان کی تمام تر توانائیاں انسانیت کُشی پر صرف ہو رہی ہیں اپنی عافیت گاہوں کے سوا دُنیا بھر میں بربریت، غربت اور جہالت کے یہی ذمّہ دار ہیں۔ مظلوم انسان پر مسلسل تازیانے برسانے والے یہ درندے جب تھک کر ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہیں تو اس وقفہ کا نام انسانی ہمدردی رکھ دیا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ " الکفر ملت واحدۃ " کُفر (ملّت اسلامیہ کے مقابلہ میں) ایک (متحدہ) ملّت ہے۔ لہٰذا اُمّت مسلمہ کو نبی علیہ السّلام کے بتلائے ہُوئے اس ارشاد کو پیشِ نظر رکھتے ہُوئے کُفر کی اس ملت جی۔ 8 پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کا اوّلین ہدف ملّتِ اسلامیہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلم سربراہان کو ہمّت اور غیرت عطا فرمائے تاکہ کُفر کے خطرناک عزائم سے اُمّت کی حفاظت کی تدبیر ہوسکے۔

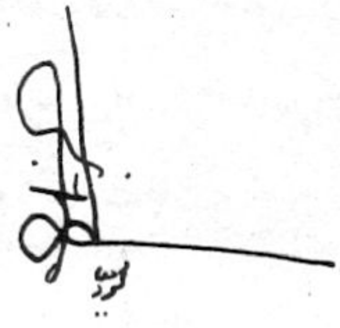

جامعہ مدنیہ جدید کا موبائل

۰۳۳۳-۴۲۴۹۳۰۱

مولایَ صلِّ وسلِّم دائماً ابداً علیٰ حبیبکَ خیرِ الخلقِ کلِّھمِ

درسِ حدیث

حضرت اقدس پیرو مرشد مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان خانقاہ حامدیہ قدوسیہ چشتیہ کے زیرِ انتظام ماہ نامہ انوارِ مدینہ کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدس رحؒ کے مریدین اور عام مُسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ حضرت اقدس رحؒ کے اس فیض کو تا قیامت جاری و مقبول فرمائے ۔(آمین)

یزید کی بیعت پوری طرح منعقد نہ ہوئی تھی اس لیے اطاعت لازم نہ تھی،
عزّتِ نفس کے لیے جان دینا بھی شہادت ہے
بالآخر حضرت معاویہؓ نے بھی عملاً حضرت علیؓ کی تائید کر دی
امام حسینؓ کی تائید میں ائمہ اربعہ کا متفقہ فیصلہ
اہلِ مدینہ کا عمل، امام مالکؒ کی رائے

حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

ترتیب و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم

کیسٹ نمبر ۳۳ سائیڈ اے / ۸۴-۴-۱۳

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّد وّ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم قال کانت بنواسرائیل تسوسھم الانبیاء کلماھلك نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استرعاھم متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۳۲۰)

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلّم نے یہ ہدایت فرمائی وصیت فرمائی کہ جس سے

بیعت کرلو تو اُس کی بیعت پر پابند رہو اور اگر کوئی بعد میں آجائے اور پھر اس کے بعد اور آجائے اور حالات ڈانواں ڈول کہ کبھی کوئی آگیا کبھی کوئی اور ان سب سے بیعت کرنی پڑ جائے جیسے ووٹ دینا جیسے یہ عہد کرنا کہ ہم تمہاری بات مانتے رہیں گے جائز حد تک جو ہوگی یہ شرط اس میں لگی ہوئی ہوتی ہے تو ایسی صورت میں کیا کرے تو فرمایا فوابیعت الاول فالاول کہ جو پہلے ہے اس کا درجہ پہلے ہے اور اس سے بھی جو پہلے ہے اُس کا درجہ اور بھی مقدم اُس کے ساتھ وفاداری رکھو اُس کے ساتھ وفاداری کرو اور جو بعد میں دعوٰی کر رہا ہو اُس کے بارے میں کیا ہے تو اُس کے بارے میں فرمایا اُسے ماردو کائنا من کان جو بھی کوئی ہو

خارجیوں ناصبیوں کا حضرت حسینؓ پر اعتراض

اب خوارج یا نواصب یہاں پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں ـــــ ان لوگوں نے یہ کہا کہ پہلے یزید خلیفہ ہُوا بعد میں حضرت حسینؓ نے خلافت کا دعوٰی کیا لہٰذا بعد والے کو مارنے کا حکم آپ دے چکے اُنھیں شہید کر دیا گیا اب جو شہید ہُوئے ہیں تو اپنے نانا کی تلوار سے گویا شہید ہُوئے ہَیں یہ ان لوگوں نے ایک چیز (بے تکی دلیل) تیّار کی تھی۔

خارجی اور ناصبی کسے کہتے ہیں

خارجی اُنھیں کہتے ہیں جو کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کے خلاف ہوں اور دونوں کو بُرا سمجھتے ہوں بلکہ اُن کی تکفیر کرتے ہوں کہ معاذ اللہ وہ اسلام سے نکل گئے تھے ایسی غلط قسم کی باتیں اور غلط قسم کے عقائد اُنھوں نے اپنے بنا رکھے تھے اور دوسرا طبقہ ایک اور ہے وہ کہلاتے ہَیں ناصبی ان کا زیادہ بڑا نشانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی ہے تو وہ نواصب کہلاتے ہَیں وہ حضرت علیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سب کو نشانہ بناتے ہَیں تو اس کے بالمقابل جو ایک اور باطل فرقہ پیدا ہُوا تھا وہ شیعہ تھے اور ان سب کے بالمقابل جو اہلِ سُنّت نے طرز اختیار کیا وہ بڑا معتدل ہے اُس میں سب صحابہ کرام کی عظمت بحال رکھنے کی پُوری پُوری کوشش کی گئی ہے۔

ان کا جواب

لیکن مَیں نے آپ کو اس کے بارے میں بتلایا کہ یزید کا معاملہ تو ایسا تھا کہ اُس کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو طریقہ اختیار کیا تھا کہ نامزد کر دیں اور اس کے بارے میں فضا سازگار کرلیں لوگوں سے ایک پیشگی وعدہ لے لیں ذہن تیار کر لیں اس چیز کو صحابہ کرام میں سے کافی صحابہ کرام نے پسند نہیں کیا بلکہ اس سے اختلاف کیا کہ اس طرح سے

خلافت دلائی، بیعت کرائی یہ ہی ٹھیک نہیں ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اور دوسرے صحابہ کرام کا اختلاف ہوگیا جیسے کہ حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی تو ان حضرات نے مخالفت کی تو جس چیز میں اختلاف آجائے وہ منعقد پوری طرح نہیں مانی جاتی لہٰذا اس کا انعقاد درست نہ ہوا[1] پھر جہاں کے لوگوں نے بیعت کی ہی نہیں پھر اُن کا کیا ہوگا ــــ مثلاً اہلِ کوفہ نے بیعت کی ہی نہیں تھی بلکہ اُنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب وہ مکّہ مکرّمہ پہنچے ہیں تو لکھا ہے اور اُس میں یہی مضمون تھا کہ ہم نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی آپ تشریف لے آئیں آپ کے ہاتھ پر ہم بیعت کرلیں گے، اور اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتری فرمادیں گے۔

---

[1] احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ اس شرط کی صراحت ہے کہ پہلے کسی شخص واحد پر سب کا اتفاق ہوچکا ہو، پہلی بیعت منعقد ہوچکی ہو ملاحظہ فرمائیں

(۱) عن عرفجۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یقول انہ سیکون ھنات وھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان (مشکوٰۃ ص۳۲۰)

(۲) حضرت عرفجہ سے ہی دوسری روایت میں وھی جمیع کی جگہ وامرکم جمیع علی رجل واحد کے الفاظ منقول ہیں (ایضاً ص۳۲۰)

(۳) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم من بایع اماماً فاعطاہ صفقۃ یدہ ثمرۃ قلبہ فلیطعہ ان استطاع فان جاء آخر ینازعہ فاضربوا عنق الاخر (ایضاً ص۳۲۰)

خط کشیدہ جملوں سے اس امر کی وضاحت ہو رہی ہے کہ تلوار تب اُٹھائی جا سکتی ہے جب پہلے بیعت کا انعقاد ہوچکا ہو۔ مرتّب

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ جانا ضروری تھا اور اس کی دلیل

اب یہ بتلائیے آپ کہ تمام احکام جتنے بھی ہیں اسلام کے بہت کا مدار ان میں حکومت پر ہے اگر حکومت ہوگی تو ہوں گے ورنہ نہیں ہوں گے، ہو ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود جو ہیں ان کو نافذ کرنے کا اختیار کیا افراد کو ہے؟ نہیں افراد کو نہیں ہے۔ شوہر بیوی کو سزا دینی چاہے نہیں دے سکتا، دعوے کرے گا کوئی اور کسی اور کو دینا چاہے جو اس کے ماتحت ہو تو بھی نہیں دعوٰی کریگا بس تھوڑی بہت سرزنش کر سکتا ہے لیکن یہ کہ وہ سزا دے حد جاری کرے یہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ کسی کو کسی نے قتل کردیا اب اس کے بیٹے اُس قاتل کو نہیں مار سکتے دعوٰی کر سکتے ہیں، مارے گی تو حکومت مارے گی، کیونکہ اگر اُسے مارنے کا اختیار دے دیا جائے تو پھر تو فساد اور بڑھے گا اور وہ مارنا کسی کو چاہتا ہے مارا کوئی اور گیا تو فساد ٹھنڈا ہونے کے بجائے اور بڑھتا ہے بھڑکتا ہے۔ اس لیے حکومت کے سوا باقی کسی کا کام یہ نہیں ہوتا کہ حدود اللہ قائم کرے اقامتِ حدود اور فیصلے شریعت کا نفاذ یہ کام حکومت کا ہے افراد کا نہیں ہے رعایا کا نہیں ہے تو اس کام کے لیے اگر کوئی کسی کو بلاتا ہے کہ یہ کرو تو یہ شریعت ہے یا نہیں اور عبادت ہے یا نہیں؟ یہ تو عبادت ہے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب بلایا گیا اس کام کے لیے تو اُن کے لیے جانا جبکہ وہ کہہ یہ رہے ہیں کہ ہم نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے۔ آپ ادھر آجائیں اور ہم بیعت کریں گے آپ کے دستِ مبارک پر، شاید اللہ تعالیٰ ہمیں خیر پر جمع کردیں۔ بہتر حالات پر جمع کردیں یہ مضمون تھا اُن کا اَب ان کے لیے وہاں پہنچنا کم از کم واجب ہُوا۔ کم از کم مستحب سمجھ لیں اور بھی اس سے نیچے آجائیں کم از کم جائز تو ہُوا، ورنہ مستحب ہُوا ورنہ واجب ہوا تو اس وجوب کو پُورا کرنے کے لیے اُنھوں نے سفر کیا۔

بغاوت یا بغاوت پر اُکسانے کا اُن کا کوئی ارادہ نہ تھا

اب ان کا ارادہ یہ ہُوا ہوتا کہ یزید کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کر بھی لی ہو تب بھی میں ضرور لڑوں گا اور مجھے اس کی بیعت تڑوانی ضرور ہے اگر ایسا ارادہ ہوتا تو اپنے ساتھ بیوی بچوں کو لے کر تو نہ جاتے کوئی اور لڑنے والے لوگوں کا کوئی چھوٹا موٹا لشکر ہی تیار کر کے لے کر جاتے، وہ جب گئے ہیں تو بیوی بچے سب ساتھ چھوٹے بڑے گئے پھر جب مزاحمت ہُوئی ہے ان کی تو اُنھوں نے یہی کہا ہے کہ میں تو لڑنے نہیں آیا ہوں مجھے ان لوگوں نے بُلایا ہے اس عنوان سے بلایا ہے اگر کوئی مسئلے جاننے والا ہوتا

دین کی سمجھ ہوتی۔ فقیہہ ہوتا سامنے تو وہ سمجھتا کہ یہ بات جو آپ فرمارہے ہیں وہ صحیح ہے وزنی ہے اور یہ بغاوت نہیں ہے

بغاوت تو اہلِ مدینہ نے کی تھی مگر . . .

بغاوت میں تو مدینہ شریف والوں کا کام جب ہے وہ آتا ہے کیونکہ مدینہ منوّرہ کے عام لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی۔ حضرت عبد اللہ جو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اُنھوں نے بھی بیعت کر لی تھی یزید کی اور پھر اُنھوں نے منع کر دیا تھا کہ اب چھوٹی موٹی باتوں پر یا غلط چیزیں بھی اگر ہیں تو بھی ایسے نہ کرو کہ تم یزید کی مخالفت کرو بلکہ رہنے دو اسی طرح ورنہ خونریزی ہوگی اور احادیث میں ایسے آیا ہے کہ اگر وہ (حکام) خُدا کی اطاعت کریں تو پھر تو تمھیں بھی فائدہ اور اُنھیں بھی خدا کے یہاں فائدہ اور اگر وہ حُکام خُدا کی اطاعت نہ کریں فلکم وعلیھم تو تمھیں ثواب ملے گا اور جو گناہ ہے جو بار ہے وہ اُن کی گردن پر ہوگا تو اُن کی رائے یہ ہوئی کہ نہ توڑیں۔

اہلِ مدینہ کا تقویٰ اُن کے عمل کی اہمیّت

لیکن مدینہ منوّرہ کے لوگوں کا دینداری اور تقویٰ کے اعتبار سے اہلِ شام کے مقابلہ میں، زمین آسمان کا فرق ہے وہ میں الگ آپ کو بتا ہی چکا ہوں کہ روایتوں میں شام کا اور مدینہ شریف کا بہت زیادہ فرق آیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دَور تک یہ فرق رہا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش جو ہے وہ ۹۰ھ یا ۹۱ھ ہے گویا ایک صدی پُوری ہو رہی تھی ہجرت کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات سے ۸۰ سال بعد تقریباً ان کی پیدائش ہُوئی ہے لیکن جب اُنھوں نے ہوش سنبھالا تو دیکھا مدینہ کا حال وہی ہے (امام مالکؒ) لکھ پڑھ گئے تو بھی یہی ہے اور عالم بن گئے تو بھی یہی ہے۔ علّامہ بن گئے، مجتہد بن گئے تو بھی وہی تو اُنھوں نے کہا مدینہ شریف کا جو عمل ہے اہلِ مدینہ کا وہ میرے نزدیک حدیثِ صحیح سے بھی زیادہ وزنی ہے کیونکہ عمل کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کر رہا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک اُستاد در اُستاد اسناد نقل کر رہے ہیں اور وہ دو چار تک ہی بات ہوتی ہے اور یہ تو سارا شہر کا شہر ایک چیز پر متفق ہے تو وہ ترجیح دیتے تھے کہ عمل اہلِ مدینہ جو ہے وہ میرے نزدیک بہت بڑا ہے تو اُن کو یہ چیز (یعنی یزید کی بدعملی) گوارا نہ ہُوئی تو اُنھوں نے بیعت توڑ ہی معلوم یہ ہوتا ہے کہ بیعت توڑنا کچھ حالات میں دُرست بھی ماننا پڑتا ہے اگر اس کو دُرست نہیں مانتے تو اہلِ مدینہ کو گمُراہ کہنا پڑے گا اور اہلِ مدینہ کو گمراہ کسی

نے نہیں کہا بلکہ بُرا جو کہا ہے یزید ہی کو کہا ہے بُرائی اُسی کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو مدینہ منوّرہ کے لوگوں نے کیا تھا اُس کی جو سزا دی جاسکتی تھی وہ تعظیم ملحوظ رکھتے ہوئے بھی دی جاسکتی تھی اُس نے تعظیم ملحوظ نہیں رکھی اُس نے تو آرڈر دے دیا کہ اُنھیں کچل کر رکھ دو اور قتلِ عام جیسی شکل بنائی بلکہ قتل عام کا حُکم دیا۔

ابن تیمیہؒ منہاج السنہ میں خود لکھتے ہیں کہ مُسلم بن عقبہ مری کو بھیجا اور امرہ ان یستبیح المدینۃ ثلاثۃ ایام تین دن وہ مدینہ منوّرہ کو مباح سمجھے یعنی جو چاہے کرے لُوٹ مار کرے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ ایک قیراط زائد دے دیا تھا ایک معاملے میں تو میں نے اُسے برکت کے طور پر اپنے تھیلے میں رکھا جیسے آپ جیب میں بٹوا رکھتے ہیں اس میں گویا رکھ لیا اور لم یکن القیراط یفارق قراب جابر بن عبد اللہ وہ اُنہی کے ساتھ رہا حتیٰ کہ حتی اصابھا یوم الحرۃ اھل الشام[1] اہل شام نے وہ لے لیا حرّہ کے واقعہ کے دن حضرت جابرؓ بڑے صحابی تھے اُن کے والد اُحد میں شہید ہو گئے تھے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جابرؓ جو ہیں وہ بھی اُحد میں شامل ہوتے ہیں اس وقت سے لے کر ۶۳ھ تک وہ اُن کے پاس تھا تو اُنھیں اس سے کتنی عقیدت اور کتنی محبت ہوگی اور اہلِ شام نے ایسے ہی تو نہیں لے لیا ہوگا بلکہ لوٹ مار کے ذریعہ ہی لیا ہوگا تو وہ بُرائی جو اہلِ مدینہ کے ذمّہ ہوسکتی تھی۔ اس خُدا کے بندے (یزید) کے حصّہ میں آگئی۔ تو معلوم یہ ہُوا کہ اہلِ مدینہ ہی کی رائے ٹھیک تھی یہ واقعی اس قابل نہیں تھا اور اگر اس قابل ہوتا تو خُدا کا خوف ہوتا اس کے دِل میں اور خوفِ خُدا ہوتا تو احترامِ حرم کرتا۔ بلکہ دونوں حرمین کا مدینہ شریف اور مکہ مکرمہ کا احترام نہ کیا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہاں پہنچے تو وہاں اُنھوں نے دیکھا کہ اس کی فوج آچکی تھی راستے ہی میں اُن کو روک لیا انھوں نے اُنھیں بتایا کہ میرا سفر اس لیے ہے اور اس نیت سے ہے اور تمھیں یہ چاہیے کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو میں اُس سے بات کرتا ہوں دوسری صورت یہ ہے کہ تم مجھے واپس جانے دو اور تیسری صورت یہ ہے کہ مجھے تم بھیج دو مورچوں پہ جہاں لڑائی ہو رہی ہے تو جہاد میں جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا حدودِ مملکت

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۳۱۰ ایضاً ج ۱ ص ۳۵۵

کے آخری سرے پر ایک آدمی چلا گیا ایک طرف چلا گیا جہاد میں مصروف ہے تو اس کا یہ تو نہیں ہوتا کہ ملک کے اندر کچھ کر رہا ہو، مُلک سے تو وہ باہر نکل گیا ملک کے وسط سے تو وہ ہٹ گیا جب وسط سے ہٹ گیا تو کوئی بھی کام نہیں کر سکتا۔

یزیدی پارٹی اگر غور کرتی تو...

اچھا اس میں اگر وہ غور کرتے تو تینوں صُورتوں میں یزید کی حکومت کا تسلیم کرنا لازم آجاتا ہے پہلی صورت یہ کہ مدینہ منوّرہ واپس چلا جاؤں جہاں سے آیا ہوں واپس جاؤں مدینہ یا مکّہ مکرّمہ۔ وہاں حکومت تھی اُس کی ایک دفعہ تو ہُوئی ہے اس کے بعد ٹوٹی ہے۔ دوسرے یہ کہا یزید کے پاس جانے دو، یزید کے پاس اگر لے جاتے تو کیا بات ہوتی اور تیسری صورت یہ تھی کہ وہاں جانے دو معرکہ میں جہاں جہاد ہو رہا ہے کیونکہ حضرت حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما اس علاقے اہواز میں پہلے بھی جہاد کر چکے تھے اور اس علاقہ کو فتح انہوں نے کیا تھا۔ اسی لیے حضرت حسن وغیرہ رضی اللہ عنہم نے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو یہ کہا تھا کہ اس علاقہ کی آمدنی جو ہوگی وہ میرے حصّہ میں آئے گی اور وہ میں لیتا رہوں گا نواب بننے کے لیے نہیں بلکہ خرچے ہی اتنے تھے۔ متعلقین تھے بہت سارے اور بہت ضرورتیں تھیں تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ علاقہ اُنھیں دے دیا تو یہ لوگ بھی اس طرف آسکتے تھے اب جب اس طرف آتے تو ظاہر ہے کہ جو وہاں کا جنرل تھا اُس کے تابع ہوکر جہاد میں شامل ہوتے وہ جنرل ہوتا تو یزید ہی کا ہوتا اس میں گویا ہر حال میں "تینوں صُورتیں جو اُنھوں نے پیش کی ہیں اُن میں یزید کی حکومت کا تسلیم کرنا خودبخود لازم آجاتا ہے، لیکن یہ بیوقوف تھے اُنھوں نے کہا نہیں پہلے آپ بیعت کریں پھر ہم سوچیں گے کہ ہم آپ کا کیا کریں اور یہ جو ہے یہ کارروائی بغاوت ہے انھوں نے دفعہ جو لگائی اُن پر۔ وہ بغاوت والی لگائی۔

حضرت حسینؓ پر دونوں باتیں واجب تھیں

اور جب یہ صورت ہوگئی تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مسئلہ کے اعتبار سے وجوب پر عمل کر رہے تھے ان کے اعتبار سے یہاں آنا واجب تھا، اُن کے اعتبار سے نہ لڑنا بھی واجب تھا تو وہ آئے اس طریقہ پر کہ بغیر لڑائی کے کہیں اگر حکومتِ عادلہ قائم ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس کی جدوجہد کرنی چاہیے یہ بالکل ایسی مثال ہو جائے گی جیسے آج کہیں کسی صُوبے میں کوشش کی جائے کہ ہمارے لوگ اسمبلی میں

زیادہ آجائیں۔ ووٹ زیادہ ملیں تاکہ وہاں ہم اپنی حکومت قائم کرسکیں اسلامی حدود نافذ کرسکیں تو اسی طریقہ پر یہ بھی ایک کوشش ہوگی اس میں وہ لڑنے کی بات نہیں آتی۔

مُسلمان مسلح ہی ہُوا کرتا ہے ان کا مسلح ہونا رواجی تھا

اب رہا یہ کہ ہتھیار، ہتھیار تو ہر ایک کے پاس ہُوا ہی کرتے تھے اُس زمانے میں اور سفر جو کیا جاتا تھا اُس میں ہتھیار ہوتے ہی تھے ہتھیار تو تھے اُن کے پاس مگر فوج نہیں تھی خود اپنے گھر کے جتنے ہُوا کرتے ہیں جتنے رکھا کرتے تھے رواجاً وہ تھے اور مُسلمان تو مسلح رہا ہی کرتا ہے یہ تو ہم نے اپنی روش چھوڑ رکھی ہے ورنہ سِکھ جیسے مسلح ہیں اس طرح مُسلمان کے پاس ہر ایک کے پاس ہونی چاہیے تھی پستول۔ سکھوں نے مُسلمانوں سے ایک چیز لے کر اپنے ہاں ضروری کرلی تو مُسلمانوں کے لیے یہ چیزیں اصل میں تو لوازمات میں سے ہیں۔ اعدوا لهم ما استطعتم من قوة اور اصل بات بھی یہی ہے۔

رعایا کا مضبوط ہونا اصل قوّت ہے

آپ یُوں سمجھ لیجیے کہ اصل قوت جو ہے وہ ہے بھی یہی کہ رعایا جو ہے وہ مضبوط ہو اور تیّار ہو اور مسلح ہو اور اگر ایسی صُورت ہو تو کوئی ملک کسی ملک میں داخل نہیں ہوسکتا۔ آج رُوس بھی اگر ایران میں داخل ہوجائے تو خیر نہیں اُس کی، داخل تو وہ ہوجائے گا یہ ٹھیک ہے لیکن بچ کر بھی کوئی نہیں نکلے گا اُن میں سے اور جتنے کروڑ وہ ہیں اتنے کروڑ کو تو مار ہی دیں گے۔ اتنا نقصان جانی کوئی طاقت برداشت نہیں کرسکتی۔ اتنے کروڑ آدمی جتنے وہ ہیں اتنوں کو وہ ماردیں کس کو یہ غلط بات سُوجھ سکتی ہے کون اس غلط بات پہ چل سکتا ہے کوئی بھی نہیں سوچ سکتا ایسا، ہاں یہاں آسکتے ہیں کیونکہ یہاں کوئی مسلح نہیں یہاں جو آجائے اُس کی بات ماننی پڑے گی رعایا کو کیونکہ یہ محض رعایا ہے اس کی کوئی رائے نہیں اور رائے ہو بھی تو زبان سے کہہ ہی نہیں سکتا کیونکہ قوت نہیں ہے نہ لڑنے کا ڈھنگ ہے نہ کچھ ہے، نہ تربیت کچھ بھی نہیں بس ایک بھیڑ ہے یہ غلام رہ سکتے ہیں بس، جو بھی اُن کا مالک بن جائے اس کے غلام ہیں تو یہ نہ ہو کوئی اور ہو اُس کے غلام ہم ہیں وہ بات ہے ہی نہیں البتہ وہاں تو ہر آدمی کے پاس تھا ہتھیار اتنا ہتھیار اُن کے پاس بھی تھا باقی اس سے زیادہ تیّاری کی ہو کوئی فوج لائے ہوں وہ نہیں اب اُنھوں نے کہا کہ آپ پہلے یہ (بیعت) کریں۔ انھوں نے کہا یہ نہیں کرسکتا یہ نہیں مانے اُنھوں نے گرفتار کرنا چاہا انھوں نے گرفتاری بھی نہیں دی اب لڑے بغیر کیسے وہ گرفتار کرتے وہ بھی نہیں

کر سکتے تھے۔

حضرت حسینؓ نے لڑائی میں پہل نہیں کی اپنے والد کے طریقہ کو اپنایا

اور لڑنے کے لیے یہ پہل کریں یہ بھی نہیں کر سکتے تھے مسئلہ کی رُو سے۔ مسئلہ کی رُو سے یہی تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جتنی لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ان سب میں اُنھوں نے یہ ہدایت کی ہے کہ پہل ہماری طرف سے نہیں ہوگی جنگِ جمل سب سے پہلے ہُوئی ہے بصرہ میں اُس میں یہی ہدایت کی ہے۔ اس کے بعد جنگِ صفین ہُوئی ہے اس میں یہی ہدایت کی ہے اُس کے بعد اہواز وغیرہ میں خوارج سے ہُوئی ہے لڑائی اس میں بھی یہی ہدایت کی ہے جب اُنھوں نے حضرت عبداللہ ابن خباب ابن الارت (اور حضرت خباب ابن الات بہت مشہور صحابی ہیں جنھیں انگاروں پر لِٹا دیا تھا کفارِ مکہ نے شروع شروع میں اور ان کے چربی نکل آئی تھی) اُن کے بیٹے اور ان کی بہو یعنی بیٹے کی بیوی ان دونوں کو جب اُنھوں نے شہید کر دیا اور ان کے ہاں ولادت ہونے والی تھی تو گویا۔ تین خُون کر دیے۔ جب یہ ہُوا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حملے کا حکم دیا ہے ورنہ اُنھوں نے حملے کا حکم نہیں دیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ جانتے تھے ان کے سامنے معاملہ یہی رہا۔

بالآخر حضرت معاویہؓ کو بھی وہی کرنا پڑا جو حضرت علیؓ نے کیا

نمبر دو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کیا وہی حضرت معاویہؓ کو کرنا پڑا یعنی پہلے حضرت عثمانؓ کی شہادت ہُوئی ہے اس وقت تو وہ یہ کہتے تھے یہ جو گروہ ہیں مصر سے آنے والوں میں سے دو یا تین آدمی اندر گئے جنھوں نے شہید کیا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کوئی ہتھیار لیے ہُوئے نہیں تھے جو آدمی عمر رسیدہ ہو اور ہتھیار کوئی نہ ہو اور نہ لڑنے کا حکم دے بلکہ ہتھیار پھینکنے کا حکم دے دے اس کو مارنے کے لیے کوئی فوج تو نہیں چاہیے اُس کو تو کوئی بھی شہید کر سکتا ہے دو یا تین آدمی ملتے ہیں جنھوں نے اُنھیں شہید کیا ہے اور اس جُرمِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے لیکن وہ مارے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے تو اپنی مدد کے لیے کسی کو نہیں بُلایا منع کر دیا مارتے ہیں مارنے دو۔ بہرحال بہت بڑی بہادری ہے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے بہت بڑی بہادری ہے البتہ ان کی جو بیوی تھیں اُنھوں نے شور مچایا تو پھر وہ لوگ آئے اور مدد کے لیے بلایا۔ اس وقت حضرت عثمانؓ گفتگو نہیں فرما سکتے تھے وہ بیہوش ہو گئے تھے جب وہ لوگ مدد کے لیے آئے تو پھر اُن کی مڈبھیڑ ہُوئی اُنھوں نے پھر اُن کو مار دیا یہ وہیں مارے گئے

یہ کون تھے یہ مصر والے تھے، مصر سے آئے تھے انھوں نے گھیراؤ کرلیا تھا قصرِ امارت کا دار کا اُن کا جو مکان تھا، مکان تھا بڑا، اس کا صحن جو تھا وہ بھی شاید ایسا ہوگا جیسا کہ کنال دو کنال کا یا زیادہ کا ہو، اس میں سات سو آدمی آٹھ سو آدمی بیٹھتے ہیں بیک وقت، ایسا صحن بنا ہوا تھا اُسے الدّار کہا گیا وہ اُن کا دار الخلافہ وہ قصرِ امارت جو چاہیں کہیں اُسے، وہ اُن کا گھر تھا کوٹھی تھی قصرِ امارت سب کچھ وہی تھا اس کا گھیراؤ کیا ہے اس گروہ نے کیا ہے جو مصر سے آئے ہوئے تھے ایک گروہ آیا ہوا تھا بصرہ سے ایک گروہ آیا ہوا تھا کوفہ سے اُنھوں نے گھیراؤ ہی میں حصّہ نہیں لیا یہ الگ رہے لیکن باغی ہونے میں سب برابر تھے۔ خیالات سب کے ایک ہی تھے لیکن قتل کا ارتکاب جس نے کیا وہ تین چار آدمی تھے وہ تین چار سب مارے گئے۔

ایک اہم سوال

اب دوسرا سوال یہ اُٹھتا ہے کہ اس مصری گروہ کو مارا جائے یا نہ مارا جائے اور یہ اُٹھتا ہے سوال کہ بصرہ والے اور کُوفے والوں کو مارا جائے یا چھوڑا جائے تو حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت عائشہؓ ان سب کی رائے یہ تھی کہ جو جو گروہ آئے ان سب کو قتل کیا جائے اُنھوں نے بغاوت کی کیسے اور یہ سب دمِ عثمان میں شریک ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے یہ بات نہیں ہے ان سب کو نہیں مارا جاسکتا ان میں جو فسادی ہیں اُن کی گرفت کی جاسکتی ہے لیکن حالات قابُو میں آنے پر گرفت کی جائے گی، قاتل ہونے کے حساب سے مارا جائے سب کو یہ نہیں ہوسکتا، نہ یہ دُرست ہے نہ یہ جائز ہے ان حضرات کے ذہن نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔

ان حضرات کا اقدام اور حضرت علیؓ کی رائے کی طرف رجوع

ان حضرات نے حملہ کیا بصرہ پر قاتلینِ عثمان کا پیچھا کیا ان میں کچھ کو مار دیا کچھ بھاگ گئے ایک بڑا مڈھ جو تھا وہ بھی بھاگ گیا۔ اب اس کو قبیلے والوں نے چُھپا لیا وہ کہنے لگے اگر آؤ گے ہم تم سے لڑیں گے اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ یہ حکم دے رہے ہیں تو اُنھیں اس آدمی کو برآمد کرکے دے دینا چاہیے تھا نہیں دیتے برآمد کرکے اُنھوں نے کہا نہیں، آپ نے بصرہ پر حملہ کیا اتنے آدمیوں کو مار دیا ہے ہم نہیں مانتے اب ان سے اگر لڑتے ہیں تو ان کے جو اور حمایتی قبیلے ہیں وہ اُٹھ آئیں گے۔ حضرت علیؓ سے جب گفتگو ہوئی ہے تو یہی بات کہلائی ہے ان سے اور انھوں نے پھر مان لی کہ یہ بات ٹھیک ہے۔

حضرتِ معاویہؓ کی جانب سے انکار

مگر حضرت معاویہؓ نے نہ مانی۔ اُنھوں نے کہا ہم اطاعت ہی نہیں کریں گے آپ کی جب تک آپ سب کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے اور سب دمِ عثمان میں شریک ہیں تو اُنھوں نے ان کو بھی سمجھانا چاہا بذریعہ پیغام اُدھر سے اِدھر اِدھر سے اُدھر بڑے بڑے تابعین علماء کے ذریعہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں وہ بہت بڑے عالم ہوتے تھے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں جو مَیں جانتا ہوں وہ علقمہؓ جانتے ہیں علقمہؓ بھی تھے ان میں اور بھی لوگ تھے جو حضرت علیؓ فرماتے تھے وہ وہاں جاکر کہتے تھے وہ جو کہتے تھے یہاں آکر بتلاتے تھے جیسے بچے سے ایک بات کہلادیں کہ یہ کہہ آؤ تو وہ کہہ دے گا اپنی طرف سے بات نہیں بڑھاتے۔ بالکل اسی طرح نقل کرنا، اس گفتگو میں جواب کوئی نہیں تھا۔ حضرت معاویہؓ کے پاس باتیں ختم ہوگئیں تھیں تقریباً مگر پھر بھی لڑائی ہُوئی اور اس میں حضرت معاویہؓ کا زیادہ سے زیادہ جو موقف یا مطالبہ تھا وہ وہی تھا جو اُن حضرات کا تھا جو بصرہ میں تھے مگر ان حضرات کے ذہن میں یہ بات آچلی تھی مان بھی گئے تھے یہ لوگ کہ سب کو مارنا یہ غلط ہے ادھر حضرت معاویہؓ کے ذہن میں یہ بات نہیں آرہی تھی ابھی تک تو انھوں نے قبول نہیں کی۔

مگر پھر بھی لڑائی ہُوئی اور اس میں حضرت معاویہؓ کا تھا جو بصرہ میں تھے مگر ان حضرات کے ذہن میں یہ بات آچلی تھی مان بھی گئے تھے یہ لوگ کہ سب کو مارنا یہ غلط ہے۔ ادھر حضرت معاویہؓ کے ذہن میں یہ بات نہیں آرہی تھی ابھی تک تو اُنھوں نے قبول نہیں کی۔

بالآخر حضرت معاویہؓ کی جانب سے حضرت علیؓ کے موقف کی عملی تائید

لیکن ایک دور آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ سے جب صُلح ہُوئی ہے تو صلح اسی شرط پہ ہُوئی ہے کہ کسی کو ہمارے ساتھیوں میں سے آپ کچھ نہیں کہیں گے۔ اُنھوں نے مانی یہ بات کسی کو کچھ نہیں کہا۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ پر حملہ آوروں کو عہدہ دیا

بلکہ مَیں نے تاریخ کا جو مطالعہ کیا تو مجھے دو آدمی تو ایسے لگے جو ان گروہوں میں سے تھے جو حضرت عثمانؓ پر حملہ ہونے کے لیے آئے تھے اُس وقت کے بھی نامور لوگ تھے، حضرت معاویہؓ نے اپنے دورِ حکومت میں ان کے ذمہ ڈیوٹیاں کی ہیں ان کے ذمہ کام لگائے ہیں یعنی جیسے کسی جگہ کا ڈی سی بنادینا یا کمشنر بنادینا اس طرح کا کام لیا ہے تو معلوم ہُوا کہ بات وہ ہی صحیح تھی جو حضرت علیؓ فرماتے اور وہ فرماتے تھے یہ (گروہ والے) مؤلین ہیں ان کو غلط فہمیاں ہُوئی ہیں اشکالات ان کے دماغوں میں گھسے ہُوئے ہیں غلط قسم کے تو یہ اہلِ تاویل ہیں یعنی اُنھوں نے مسئلے نکالے اور مسئلوں میں ٹھوکریں کھائیں مسئلہ کی سمجھ میں ٹھوکر کھارہے ہیں یہ لوگ، تو ان لوگوں کو مارا نہیں جاسکتا ان کا علاج اور طرح سے کیا

جائے سمجھایا جائے بات کی جائے گفتگو کی جائے کچھ کہا جائے اور مارنے کی بات جہاں تک ہے جب وہ ماریں تو ہم ماریں گے ورنہ نہیں پہل ہم نہیں کرتے تو حضرت معاویہؓ کو بھی وہیں آنا پڑا[1]

فقہائے اُمّت کی رائے

اب اس کے بعد فقہائے کرام کا درجہ آتا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ ہیں امام مالکؒ ہیں امام شافعیؒ ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ ہیں یہی چار مسلک اہلِ سُنّت والجماعت کے ایسے بن گئے جو کہ دُنیا میں آج رائج ہیں قدرتی طور پر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی سوائے اس کے کہ اللہ کی مرضی یہ ہے ورنہ ان جیسے ان کے دَور میں اور بھی تھے بہت بہت لوگ تھے امام صاحبؒ کے دَور میں تقریباً ڈیڑھ سو آدمی تھے جو حضرت امام صاحبؒ کے تقریباً ہم پلّہ عُلماء شمار کیے جاتے تھے. صحابہ کرام کو دیکھے ہُوئے ہیں یا علماً اتنے بڑے ہوں لیکن چلا ان کا مسلک. اب ان چاروں نے یہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ لڑائی کے دوران حضرت علیؓ نے کیا ہے وہ صحیح ہے وہ حُجت ہے ہم سب کا مسئلہ وہی ہے باقی کسی نے جو کیا اُس کو نہیں چھیڑتے . وہ صحیح کیا ہے غلط کیا جو کچھ بھی کیا اُس کے بارے میں سکوت کرو باقی صحیح کیا تھا صحیح وہی تھا جو حضرت علیؓ نے کیا یا حکم دیا زبان سے وہ صحیح ہے تو سب ائمہ اربعہ کا یعنی پُوری دُنیا کے مُسلمانوں کا یہی اتّفاق ہے کہ جو حضرت علیؓ کی بات تھی یا باتیں تھیں اور جو جو انھوں نے باغیوں کے ساتھ معاملات کیے حکم دیا یہ کیا وہ کیا وہی ہیں باغیوں کے احکام ۔ باغیوں کا مال نہیں لوٹا اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو چھوڑ دیا جائے گا بھاگ جائیں تو جانے دو، دروازہ بند کرلیں چھوڑ دو وغیرہ وغیرہ یہ احکامات جتنے بھی اُنھوں نے دیئے وہ کتابوں میں سب منقول ہیں اور سب ان سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے یہ کیا باقی حضرات کا نام لیا ہی نہیں جاتا اور دوسرے حضرات پر حکم بغاوت کا لگایا گیا کیونکہ احکام باغیوں کے حضرت علیؓ کے معاملات سے لیے گئے ہیں تو دوسرے حضرات کو بغاوت (کرنے والوں) میں شمار کیا گیا ہے گویا اب حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی بات آپ دیکھیں کہ والد کو دیکھا تو یہی کرتے دیکھا کہ اُنھوں نے خونریزی میں پہل نہیں کی اور حضرت حسنؓ نے بالکل ہی ختم کر دیا تھا معاملہ (اپنے حق سے دست بردار ہی ہو گئے تھے) پھر حضرت معاویہ رضؓ نے ختم کر دیا خونریزی کو بلکہ اُنھوں نے ان لوگوں سے بھی کام لیا جنھیں کہا جائے کہ دمِ عثمانؓ میں شریک تھے. حضرت عثمان رضؓ کی بغاوت کرنے والے جو جتھے تھے اُن میں بھی دو آدمی مَیں نے دیکھے ہیں نام اُن کے، باقی کے تو نام بھی معلوم

---

[1] قبل ازیں بعض اوقات حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے فتویٰ بھی طلب کیا (کتاب الام ج ۶ ص ۱۳۸)

نہیں ہو سکتے ناممکن ہے نام تو معلوم چیدہ چیدہ ہی لوگوں کے ہوتے ہیں۔ ان دو سے تو کام لیا ہے اُنھوں نے معاف کرنا تو الگ بات ہے کام لینا الگ بات ہے، معافی سے بڑی چیز ہو گئی کام لینا کہ اعتماد کیا۔ اب جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا (یعنی اپنے بڑوں کا یہ طریقہ دیکھ رکھا تھا) تو اُن کے تو خیال میں بھی نہیں تھا کہ اس درجہ تک نوبت پہنچ جائے گی کہ یہ ماردیں گے شہید کردیں گے اور میری بات نہیں مانیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اُن کے گمان میں نہیں تھا کیونکہ وہ دَور حضرت معاویہؓ کا ختم ہُوا تھا جس میں اُنھوں نے دیکھا تھا کہ سب کو اُنھوں نے چھوڑ رکھا تھا معاف کر رکھا تھا اور اُنہیں معاف کرنا پڑا مسئلہ بھی یہی تھا تو اُن کے خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی مگر ان خُدا کے بندوں نے اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔

حضرت حسینؓ کو بیعت پر مجبور کرنا عزّتِ نفس کے خلاف تھا

اب بتائیے آپ ان کو اس چیز پر مجبور کرنا کہ نہیں آپ پہلے بیعت کریں تو پھر ہم سوچیں گے کیا یہ دُرست ہے مگر ان کا انکار کرنا یہ بالکل دُرست ہے عزّتِ نفس کے اعتبار سے انسان کو حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عزّت کا دفاع کرے من قتل دون عرضہ فھو شہید جو آدمی اپنی آبرو کی بات پر اگر مار بھی دیا جائے تو وہ شہید ہے مال کی حفاظت کر رہا ہے اور مار دیا گیا وہ بھی شہید ہے آبرو تو مال سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے اُنھوں نے کہا کہ یہ مَیں نہیں کروں گا۔ اُنھوں نے گرفتار کرنا چاہا اُنھوں نے گرفتاری بھی نہیں دی اور اُنھوں نے حملہ میں پہل بھی کردی تو (جواباً) ان کے لیے دفاع بزورِ تلوار بھی جائز ہو گیا اَب ان کے بارے میں یہ جملہ کہنا کہ وہ اپنے نانا کی تلوار سے مارے گئے ہیں یہ خلافِ واقع ہے خلافِ تحقیق ہے۔ ایسے ہی جذباتی جُملے ہیں جو ناصبی لوگ کہا کرتے ہیں یہ جُملہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے اور مسائل کے اعتبار سے صحیح پہلو وہی ہے جو کہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بنتا ہے اور ان کو کسی نے بھی غلطی پہ نہیں کہا۔

ائمہ اربعہ کی رائے

اس کے بعد دیکھا جائے گا فقہاء کو امام اعظمؒ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو کہتا ہو کہ حسینؓ نے فلاں غلطی کی یا ان کے احترام میں کوئی کمی لائے ہوں، یہ بھی نہیں ہُوا بلکہ اُن کا عمل یا جو بات اُن کی زبان سے نکلی ہے تو اُس کو تسلیم کیا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنی ہُوئی کچھ حدیثیں یاد تھیں حضرت حسینؓ کو بھی

حضرت حسنؓ کو بھی وہ روایات امام احمدؒ نے مسند احمدؒ میں دیں۔ ایک تو یہی بات ہے کہ وہ صحابی ہیں اور مدِّمقابل صحابی نہیں ہے۔ عبید اللہ ابن زیاد جو ہے یہ صحابی نہیں ہے اور عمرو بن سعد بن ابی وقاص جو ہیں یہ عشرہ مبشرہ میں سے بڑے صحابی کے بیٹے ہیں خود صحابی نہیں ہیں۔

حضرت حسینؓ کو صحابی ہونے کی فضیلت بھی حاصل تھی

اور حضرت حُسین رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، صحابی اور غیر صحابی کے مقابلے میں تو صحابی کی تقلید کی جائے گی کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ (صحابہ میں سے) جس کی بھی پیروی کرو بس ہدایت پر ہو ما انا علیہ واصحابی جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں تو ادھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں یزید تو صحابی نہیں ہے وہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور میں پیدا ہُوا ہے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے رُتبہ میں چھوٹا عمر میں بھی چھوٹا اور صحابی اور غیر صحابی ہونے میں بھی چھوٹا ہر اعتبار سے چھوٹا ہے تو اس کے لیے اور نہ اُس کے نائبین کے لیے ایسا معاملہ ان کے ساتھ کرنا دُرست نہ تھا تو پھر اُس غلط معاملے کے باوجود یہ کہنا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی غلطی تھی اور وہ اپنے نانا کی تلوار سے شہید ہُوئے ہیں یہ بالکل تحقیق کے خلاف ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی رائے یزیدیوں کے خلاف تھی

اور حضرت ابنِ عمرؓ یہ نہ فرماتے کہ مجھ سے پُوچھتے ہیں اہلِ عراق کہ احرام کی حالت میں مکھی مارنے پر کیا ہوگا کیا دینا پڑے گا۔ وقد قتلوا ابن بنت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم[1]۔ حالانکہ انھوں نے نواسۂ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تو ویسے ہی مار دیا شہید کر دیا اور مجھ سے یہ پُوچھتے ہَیں کہ مسئلہ کیا ہے مکھی کے بارے میں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا حضرت حسن حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہ ھما ریحانیَّ من الدنیا[2] یہ دُنیا میں میری ریحان ہیں خوشبو ہَیں۔

علیہ السّلام کے جملہ کا استعمال اور اس کی وجہ

ان کے ساتھ ایک لفظ "علیہ السّلام" کا مَیں نے دیکھا علّامہ ابن قیم جوزی بڑے سخت ہیں بہت متشدّد معروف

---

[1] بخاری ص۵۳ ج۱ [2] ایضاً

ہیں لیکن اعلام الموقعین[۱] وغیرہ ان کی جو کتابیں ہیں ان میں حضرت فاطمہؓ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت علیؓ ان حضرات کو "علیہ السّلام" لکھتے ہیں۔ معلوم ہُوا یہ کوئی پُرانی چیز ہے اور مَیں دیکھ رہا تھا کتاب الام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بہت پہلے کے ہیں انھوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا ہے[۲] اس جملہ کا استعمال اصل میں ان اہلِ سُنّت میں ہُوا جن کا ٹکراؤ ہوگیا نواصب سے تو اُنھوں نے ان کے لیے ایسے جُملے استعمال کیے ہیں یا ممکن ہے اور بھی پہلے سے انھوں نے اپنے بزرگوں سے اس طرح کے جملے سُنے ہُوں اور اُس کا تعلّق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دی ہُوئی بشارتوں سے بھی ہے اور حضرت علیؓ کے حق میں آپ کی دی ہُوئی بشارتیں جو تھیں اُن کا چرچہ صحابہ کرام نے اس وقت زیادہ کیا جب حضرت علیؓ کی مخالفت بڑھی ہے تو جس صحابی نے جو سُنا تھا وہ اُس نے نشر کیا اس لیے فضیلت والی روایات کی تعداد ان کے حق میں زیادہ بڑھ گئی تو عام طور پر تو صرف صحابہ کرام کو رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے ہم بھی یہی استعمال کرتے ہیں اور (عام حالات میں) قصداً ایسے کرنا ہی بہتر ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چونکہ خوارج کہتے تھے سوّد اللہ وجہہ (معاذ اللہ) یعنی اُن کا مُنہ کالا ہو۔ اس لیے جواباً اس وقت کے اہلِ سُنّت حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کرم اللہ وجہہ کہنا شروع کیا اور اب تک ان کے نام مُبارک کے ساتھ دونوں طرح کے دعائیہ کلموں کا استعمال کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام اور تمام اہلِ بیت کی محبّت اور اُن کے طریقہ پر چلنے توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[۱] صـ ۲۱ ج ۱ نیز دیکھیں کتاب صفۃ الصفوۃ تالیف ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد بن علی ابن الجوزیؒ متوفی ۵۹۷ھ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" میں جگہ جگہ حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر اہلِ بیت کے لیے "علیہ السّلام" کا جملہ بھی استعمال فرمایا ہے صـ ۸ وغیرہ

[۲] کتاب الام کو سرسری طور پر دیکھا تو اس میں یہ چیز نہیں ملی البتہ بُخاری شریف صـ ۸۲۶ حاشیہ ۲ پر حضرت حسنؓ کے اسمِ گرامی کے ساتھ علیہ السّلام اور امام احمد بن حنبلؒ کی "مسند احمد" میں صـ ۸۸ ج ۶ میں حضرت فاطمہؓ کے اسمِ گرامی کے ساتھ علیہا السّلام کی روایت موجود ہے۔ ممکن ہے حضرت اقدسؒ کو اشتباہ ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تفصیل سے تلاش کرنے پر کتاب الام میں اس کا حوالہ مل جائے۔ واللہ اعلم۔ مرتّب

(قسط: ۱)

خطبۂ صدارت

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند

تحفظ سنت کانفرنس

منعقدہ ۷، ۸ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲، ۳ر مئی ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه نحمده و نستعينه ونستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له ونشهد ان محمدا عبده و رسوله وصلى اللّٰه تعالىٰ على خير خلقه سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا و مولانا محمد و علىٰ آله و اصحابه واتباعه اجمعين . اما بعد :

قال اللّٰه تعالىٰ : "فبشر عبادى الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه اولئك الذين هداهم اللّٰه و اولئك هم اولو الالباب"

سو آپ میرے ان بندوں کو خوش خبری سُنا دیجیے جو کلام الٰہی کو پُوری توجہ سے سُنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پہ چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی اہلِ عقل ہیں۔

عُلمائے اعلام و معزز حاضرین

"تحفّظ سُنّت کانفرنس" کی صدارت کا امتیاز دے کر آپ حضرات کی جانب سے اعتماد و خلوص کا جو اعزاز مجھ جیسے بے بضاعت کو عطا کیا گیا ہے اس کو میں اپنے واسطے شرف دنیا و آخرت سمجھتا ہوں اور اپنی اس خوش بختی پر نازاں ہوں کہ علمائے اعلام کی نظر مجھ جیسے ناتواں پر پڑی۔ بلا شُبہہ یہ میرے لیے ایک نیک فال ہے اور میں شہداء اللہ فی الارض کی اس انتخابی شہادت کو اپنے لیے ذریعہ نجات باور کرتا ہوں اور رب ذو المنن کے فضل و کرم سے توقع رکھتا ہوں کہ جماعت عُلماء کے ساتھ اس ارتباط و پیوستگی کی

بدولت میرا حشر بھی اسی جماعت حقہ کے ساتھ ہوگا۔ " ھم قوم لا یشقی جلیسھم"

اساطین اسلام

برِّصغیر (متحدہ ہندوستان) کی علمی وثقافتی تاریخ سے معمولی واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ ۹۲ھ میں عراق کے گورنر کے حکم پر اسلامی فوج محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ پہنچی اور تین سالہ جد وجہد کے نتیجہ میں ۹۵ھ میں سندھ کا پورا علاقہ اسلام کے زیرِ نگیں آگیا۔ چونکہ ان حضرات کا تعلق عراق سے تھا اس لیے عراقی فقہ ہی کے پابند تھے۔

اس وقت سے آج تک ہمیشہ سندھ عراقی مدرسۂ فکر اور فقہ حنفی کا گہوارہ رہا ہے، اس کے بعد چوتھی صدی ہجری یعنی ۳۹۲ھ میں محمود غزنوی نے لاہور اور اس کے مضافات کو اپنی قلم رو میں داخل کر کے اسلامی حکومت سندھ سے لاہور تک وسیع کر دی، سلطان محمود غزنوی بھی فقہ حنفی ہی سے وابستہ تھے، بعد ازاں ۵۸۹ھ میں سلطان غوری کے زمانہ میں اسلامی سلطنت دہلی تک وسیع ہوگئی اور اس وقت سے ۱۲۷۳ھ تک پورے برِّصغیر میں مسلمانوں ہی کی حکومت رہی، اس طویل مدت کی تاریخ پڑھ جائیے، حنفی حکمرانوں کے علاوہ کوئی اور حکمران آپ کو نہیں ملے گا۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب بھی اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے وہ اپنے رسالہ "ترجمان وہابیہ" ص ۱۱ میں لکھتے ہیں۔

> "خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں اس وقت سے لے کر آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم، فاضل، قاضی، مفتی اور حاکم ہوتے رہے، یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاوٰی ہندیہ یعنی فتاوٰی عالم گیری جمع کیا اور اس میں شیخ عبد الرحیم دہلوی والد بزرگوار شاہ ولی اللہ مرحوم بھی شریک تھے۔"

؎ حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

حاضرین ذوی الاحترام

یہ ہے برِّصغیر ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں مذہب حنفی کی اجمالی تاریخ جس سے روز روشن کی طرح نمایاں ہے کہ متحدہ ہندوستان میں اسلام کے داخلہ کے وقت سے انگریزوں کے تسلّط تک بغیر کسی اختلاف و نزاع کے یہاں کے عالم، فاضل، قاضی، مفتی، حاکم اور عام مُسلمان تواتر کے ساتھ اجتماعی طور پر فقہ حنفی ہی کی روشنی میں اسلامی مسائل اور دینی احکام پر عمل پیرا رہے ہیں۔

محافظانِ سُنّت

مُسلمانوں کے عہد زوال میں جب سامراجی سازشوں کے تحت جماعت مسلمین میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی غرض سے مذہبی فرقہ بندیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تو فقہ اسلامی، فقہائے اسلام بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ اور اُن کے متبعین و مقلدین کے خلاف عدم تقلید کا نعرہ لے کر ایک نئے فرقہ نے سر اُٹھایا۔

چنانچہ خود اسی فرقہ کے جماعتی مؤرخ مولانا محمد شاہجہان پوری اپنی کتاب "الارشاد الی سبیل الرشاد" میں لکھتے ہیں:

> "کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں بلکہ ان کا نام بھی ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سُنا ہے، اپنے آپ کو تو وہ اہلِ حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں اُن کا نام غیر مقلد، وہابی، یا لا مذہب لیا جاتا ہے
>
> چونکہ یہ لوگ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں یعنی رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت ہاتھ اُٹھاتے ہیں جیسا کہ تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں بنگالہ کے لوگ ان کو رفع یدینے بھی کہتے ہیں۔" (ص ۱۳ مع حاشیہ)

اس نو پید اور غیر مانوس فرقہ کا تعارف اس کے محسنِ اعظم نوّاب صدیق حسن خاں صاحب جن کے مالی تعاون نے اس کی نشو نما میں بنیادی کردار ادا کیا ہے ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"فرق درمیان مقلدین اور فرقۂ موحدین کے فقط اتنا ہے کہ موحدین نرے قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور باقی اہلِ مذاہب اہل الرائے ہیں جو مخالف سُنّت اور طریقۂ شریعت ہے"۔ (ترجمان وہابیہ ص ۶۲)

جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ بزعم خود کتاب وسُنّت پر عامل اور طریقۂ شریعت کے متبع بس یہی مدعیان ترک تقلید شرذمۃ قلیلہ ہیں ان کے علاوہ دُنیا بھر کے کروڑوں مُسلمان جو ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کی تقلید کے پابند ہیں کتاب وسُنّت کے مخالف اور اسلامی شریعت سے دُور ہیں۔ یہی دعوٰی آج اس فرقہ کے بچّہ بچّہ کی زبان پر ہے اور اُن کے نزدیک ہر وہ مُسلمان جو ائمہ اربعہ کا مقلد ہے۔ نعوذ باللہ صیحح راستہ سے ہٹا ہُوا اور گمراہ ہے، جب کہ اُن کا یہ دعوٰی نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد "علیکم بالجماعۃ والعامۃ" اور "اتبعوا السواد الاعظم" کے یکسر معارض اور منافی ہے اور خود اُن کے گھر کی شہادت بھی یہی بتا رہی ہے اُن کا یہ دعوٰی سراسر باطل اور واقعۂ حال کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ اس فرقہ کے نامور اور مشہور عالم مولانا عبد الجبار غزنوی جو اپنے حلقہ میں امام کہے جاتے ہیں اور مولانا عبد التواب جو اس فرقہ کے مایۂ ناز مناظر تھے دونوں کا بیان ہے کہ

"ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہُوا ہے جو اتباع حدیث کا دعوٰی رکھتا ہے مگر یہ لوگ اتّباع حدیث سے کنارے ہیں جو حدیثیں سلف اور خلف کے ہاں معمول بہا ہیں اُن کو ادنٰی سی قوّت اور کمزور سی جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہ کے اقوال اور افعال کو ایک بے طاقت قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان (احادیث نبویہ اور فرمودات صحابہ) پر اپنے بیہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں" حاشا وکلا" اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو شریعت محمدی کی حد بندی کے نشان گراتے ہیں اور ملّت حنیفیہ (اسلام) کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں اور سُنّت مصطفویہ کے نشان کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ (نبویہ) کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسانید آثار (صحابہ) کو پھینک

دیا ہے اور ان (فرمودات رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ارشادات صحابہ) کو دفع کرنے کے لیے وہ حیلے بناتے ہیں کہ جن کے لیے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی مؤمن کا سر اُٹھتا ہے" (فتاویٰ علما حدیث ج ۷ ص ۷۹-۸۰)

"تنبیہ : یہ فتاویٰ علمائے حدیث اس فرقہ غیر مقلدین کی اہم ترین اور نہایت عظیم کتاب ہے جس پر علّامہ احسان الٰہی ظہیر جیسے بڑے بڑے علماء کی تصدیقات ہیں۔

یہ ہے فرقہ غیر مقلدین کا صحیح تعارف جو خود ان کے امام اور مناظر علام نے بیان کیا ہے۔ جس سے بغیر کسی خفا اور پوشیدگی کے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے فکر و خیال کے مقابلہ میں معمول بہا احادیث کو رد کر دیتے ہیں، آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ان کے نزدیک ادنیٰ وقعت بھی نہیں، خدائے علیم و خبیر کے فرستادہ انسانیت کے سب سے عظیم معلم ہادیٔ برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم و تربیت سے آراستہ ان تلامذہ رسول کے آثار و ارشادات کو قانونی قوت سے عاری اور بے نور کہہ کر پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اپنے مختار مذہب و مسلک میں حق کو منحصر بتا کر دیگر تمام مسلمانوں کو بے راہ بلکہ گم راہ اور کافر و مشرک قرار دینا اس فرقہ کا عام شیوہ ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے عالم کبیر اور بہت ساری کتابوں کے مصنّف نواب وحید الزماں لکھتے ہیں :

" غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلِ حدیث کہتے ہیں انھوں نے ایسی آزادی اختیار کی کہ مسائل اجماعی کی بھی پروا نہیں کرتے نہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سُنتے، بعضے عوام اہلِ حدیث کا یہ حال ہے کہ انھوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہلِ حدیث ہونے کے لیے کافی سمجھا ہے باقی اور آداب اور سنن اور اخلاق نبوی سے کچھ مطلب نہیں، غیبت، جھوٹ، افترا سے باک نہیں کرتے ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر سمجھتے ہیں بات بات میں ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں"۔ (لغات الحدیث ج ۲ ص ۹۱ کتاب ش)

نواب صدیق حسن خاں اپنی مشہور کتاب "الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ" میں اپنے عہد کے غیر مقلدین کے بارے میں لکھتے ہیں، ہم بغرض اختصار صرف ترجمہ لکھ رہے ہیں۔

"بخدا یہ امر انتہائی تعجب و تحیر کا باعث ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالص موحد گردانتے ہیں اور اپنے علاوہ سارے مُسلمانوں کو مُشرک بدعتی قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ خود انتہائی متعصب اور دین میں غلو کرنے والے ہیں الخ"۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے اپنی پروردہ جماعت کے کردار سے تنگ آکر انتہائی کرب و اضطراب کے عالم میں تقریباً "الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ" کے دو صفحات ۱۵۴۔ ۱۵۵ میں اُن کا کچا چٹھا کھول دیا ہے۔

غیر مقلدین کے ان نواب صاحبان کی یہ شکایت بالکل بجا اور درست ہے واقعہ یہی ہے کہ غیر مقلدین نے "حق" کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے اور اپنے ماسوا کسی کو صحیح مُسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اس فرقہ کے مشہور و مقتدر عالم ابو شکور عبد القادر حصاروی کی کتاب "سیاحۃ الجنان" ص ۴ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ کیجیے:

"یہ امر روشن ہو چکا ہے کہ حق مذہب اہلِ حدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہلِ حدیثوں پر واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں اور ان سے خلاملا اختلاط میل جول دینی تعلقات نہ رکھیں الخ"۔

غیر مقلدین کے اس ناروا اور بے جا رویہ سے جماعت مسلمین میں اختلاف و نزاع کا ایک نیا دروازہ کھل گیا اور برِصغیر میں آباد اہلِ سُنّت والجماعت کی صدیوں سے قائم مذہبی وحدت انتشار کی شکار ہو گئی پھر بھی اس جماعت کے سنجیدہ اتحاد پسند عُلماء نے اپنے فکر و عمل پر مضبوطی سے قائم رہتے ہُوئے عام مُسلمانوں سے اپنا قُرب بنائے رکھا اور مذہبی اختلاف کی بناء پر ان کی تفسیق و تضلیل کرنے کے بجائے نہ صرف یہ کہ مقلدین مُسلمانوں کے ساتھ رواداری اور مدارات کا مظاہرہ کرتے رہے بلکہ دینی و سیاسی معاملات و مسائل میں اپنا بھرپور مخلصانہ تعاون بھی دیتے رہے جن میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا عبد الوہاب آروی وغیرہ کا نام نامی سرِفہرست ہے۔

ان حضرات کے اس مصالحانہ رویّہ کی بنار پر مقلدین وغیر مقلدین کا باہمی اختلاف بڑی حد تک " وكانوا شيعًا " کی حد میں داخل ہونے سے محفوظ رہا مگر آزادروی اور انتشار پسندی بلکہ نواب صدیق حسن صاحب کے الفاظ میں انتہائی متعصب (اور حکم الہی " لا تغلوا في دينكم " کے برخلاف) دین میں غلو کرنے والا یہ فرقہ اپنے پیش روان بزرگوں کے اس اتحاد پسند رویّہ کو ہضم نہ کر سکا اور خود اپنے ان بزرگوں ہی کے درپے آزار ہو گیا اور اپنی جماعت کے صفِ اوّل کے عالم اور مایہ ناز شخصیّت مولانا ثنار اللہ امرتسری (جنھوں نے جماعت اہلِ حدیث کی وقیع خدمات میں اپنی پُوری زندگی صرف کردی) کے خلاف ایسا طوفان برپا کر دیا کہ الحفیظ والامان، انھیں اہلِ سُنّت والجماعت سے خارج کر کے فرقہ ضالہ مثلاً جہمیہ، معتزلہ، قدریہ وغیرہ کی صف میں کھڑا کر دیا گیا اور جب اس پر بھی ان کے غلو پسند، تکفیر نواز ذوق کو تسکین نہ ملی تو انھیں اسلام ہی سے خارج ٹھہرانے کے لیے اجماعی فتوای حاصل کرنے کی نامسعود سعی کی گئی۔

مولانا ثنار اللہ امرتسری مرحوم کے خلاف اس زمانہ میں شائع رسائل الاربعین (جس میں چالیس دلائل سے اُنھیں گمراہ اور دین میں تحریف کرنے والوں کا ہم زبان ثابت کیا گیا ہے) الفيصلة الحجازية السلطانية بين اهل السنة و بين الجهمية الثنائية، فیصلہ مکہ فتنۂ ثنائیہ وغیرہ میں اس سلسلے کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔

اور دوسرے بزرگ مولانا محمد ابراہیم میر سیال کوٹی کے ساتھ خود ان کی جماعت نے کیا برتاؤ کیا اس کی کچھ مبہم سی تفصیل خود مولانا سیال کوٹی کے قلم سے ان کی کتاب تاریخ اہلِ حدیث کے دیباچہ میں نیز کتاب کے آغاز میں ناشر نے مصنف کے حالاتِ زندگی کے عنوان سے جو تحریر شائع کی ہے اس میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، اس مختصر خطبہ میں ان تفصیلات کے ذکر کا گنجائش نہیں ہے۔

حضرات علمائے ذی شان!

اب تک کی مذکورہ تفصیلات سے جو خود فرقہ غیر مقلدین کے اکابر عُلمار کی تحریروں کے حوالہ سے پیش کی گئی ہیں درج ذیل اُمور ثابت ہوتے ہیں :

۱۔ یہ ایک نوپید، غیر مالوس فرقۂ شاذہ ہے۔

۲۔ یہ فرقہ اپنے کو اہلِ حدیث بتاتا ہے جب کہ تمام مُسلمان اسے غیر مقلد، وہابی اور لامذہب کہتے ہیں۔

۳۔ یہ فرقہ اپنے ماسوٰی سارے مسلمانوں کو مخالفِ سُنّت و شریعت سمجھتا ہے۔

۴۔ یہ فرقہ اتّباعِ سُنّت کے دعوٰی میں جھُوٹا ہے کیونکہ سلف و خلف کے بیان معمول بہ حدیثوں کو بھی بلا وجہ رَد کر دیتا ہے۔

۵۔ آثار صحابہ اس فرقہ کے نزدیک قانون کی طاقت سے عاری بے نور اقوال ہیں۔

۶۔ یہ فرقہ اجماعی مسائل کی بھی پروا نہیں کرتا۔

۷۔ یہ فرقہ سلف صالحین اور احادیث مرفوعہ وغیرہ سے ثابت قرآنی تفسیروں کے مقابلہ میں اپنی من مانی تفسیروں کو ترجیح دیتا ہے۔

۸۔ بس رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ مختلف فیہ حدیثوں پر عمل تک اہلِ حدیث ہے آدابِ سنن اور اخلاق نبوی سے متعلّق احادیث سے اسے کوئی سروکار نہیں۔

۹۔ یہ فرقہ ائمۂ مجتہدین اور اولیاء اللہ کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرتا ہے۔

۱۰۔ یہ فرقہ اپنے علاوہ دیگر تمام طبقات مسلمہ کو بدعتی اور مُشرک و کافر سمجھتا ہے۔

اُوپر مذکور یہ سب باتیں اس فرقہ کے لوگوں کے بارے میں خود اُنھیں کے اکابر عُلماء کی بیان کردہ ہیں جن کا ان لوگوں سے روز کا سابقہ تھا ان لوگوں کے اعمال و کردار جن کی نگاہوں کے سامنے تھے، جنھوں نے ان کے اہلِ حدیث ہونے کے دعوٰی کو ان کی سیرت و عادت کے آئینہ میں اچھی طرح پرکھ لیا تھا، ائمہ مجتہدین اور اکابر صُوفیاء کی شان میں ان لوگوں کے گستاخانہ کلمات جو خود اپنے کانوں سے سُنتے رہتے تھے، ان لوگوں کے ناروا تعصب اور دینی غلو کا اُنھیں پُوری طرح تجربہ تھا، اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان چشم دید معتبر گواہوں کی شہادت قبول نہ کی جائے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ شہادتیں اس قدر پختہ اور محکم ہیں کہ دُنیا کی کوئی عدالت اُنھیں رَد کرنے کی جُراَت نہیں کر سکتی۔

(جاری ہے)

(قسط:۱)

تحریکِ احمدیّت

برطانوی یہودی گٹھ جوڑ

زیرِ نظر مضمون جناب بشیر احمد صاحب کی انگریزی کتاب AHMADIYA MOVEMENT BRITISH-JEWISH CONNECTION ——— کا اُردو ترجمہ (تحریک احمدیت برطانوی یہودی گٹھ جوڑ) ہے جو جناب احمد علی ظفر صاحب نے کیا ہے۔ کتاب کا مواد انڈیا آفس لائبریری لندن سے حاصل کیا گیا ہے جو پنجاب انٹیلی جنس کی رپورٹ پر مشتمل ہے۔ ادارہ اس کی مخصوص افادیّت کے پیشِ نظر اسے قارئین کرام کی خدمت میں ہر ماہ پیش کرنے کو اپنی دینوی اور دینی سعادت خیال کرتے ہوئے بنام خُدا اس کی ابتدار کرتا ہے اس کتاب کے مندرجات میں اصل مضمون سے ہٹ کر اگر کہیں مصنّف نے اپنے ذاتی رجحانات کا اظہار کیا ہے تو ادارہ کا اس سے اتّفاق ضروری نہیں ہے۔ (ادارہ)

بنیادی عقائد

- صرف احمدیت ہی سچا اسلام ہے۔ مرزا غلام احمد کے بغیر اسلام ایک بے جان وجود ہے۔
- مرزا غلام احمد مجدد، مہدی، مسیح موعود، ظلی نبی اور رسول۔ کرشن اوتار اور تمام بڑے مذاہب کا موعود ہے۔
- مرزا حقیقی نبی اور (غیر تشریعی) رسول ہے ابراہیم نوح اور موسیٰ وغیرہ کی طرح نبی اور رسول انسانیت کی رہنمائی کے لیے آتے رہیں گے۔ خُدا نے اُسے اپنی وحیوں میں بغیر کسی ظلّی یا بروزی القاب کے بغیر نبی مخاطب کیا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے لیسوع مسیح سے برتر ہے۔ (نعوذ باللہ)
- مُسلمانانِ عالم جو اس کے دعاوی پر یقین نہیں رکھتے، پکے کافر (مرتد) اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

- خُدا نے غیر احمدی کے پیچھے نماز، ایک غیر احمدی مُسلمان کے ساتھ کسی احمدی لڑکی کی شادی حتیٰ کہ ایک غیر احمدی مُسلمان بچّے کی نمازِ جنازہ سے بھی منع کر دیا ہے۔
- مرزا کی بیوی اُم المؤمنین، اس کے ساتھی صحابہ کرام، قادیان مدینۃ المسیح اور اس کے حقیقی نبی و رسول کی مسند گاہ ہے۔
- جہاد آئندہ آنے والے تمام وقتوں کے لیے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔
- یسوع مسیح طبعی موت مرے اور سری نگر کشمیر میں مدفون ہیں۔
- خلافت احمدیت کا مستقل ادارہ ہے خدا خود خلیفہ کا تقرر اور اس کی رہنمائی کرتا ہے۔
- وحی اور خُدائی الہام کے دروازے کھُلے ہیں۔ مرزا کی وحی تمام انسانیت پر التزامی ہے۔

مقدمہ

انیسویں صدی کے اختتام پر مشرقی پنجاب کے شہر قادیان میں مرزا غلام احمد کی طرف سے شروع کی گئی احمدیہ تحریک اپنے قیام کے سو سے زیادہ سال پُورے کر چکی ہے۔ یہ ایک برطانوی حامی سیاسی تحریک تھی۔ جس کی ابتدا بنیادی طور پر ایرانی بہائیت سے متأثر ہو کر رکھی گئی۔ بہائیت نے ۱۸۹۷ء میں صیہونیت کے ساتھ اپنے مکمّل الحاق سے پیشتر ایران اور ترکی میں زاروں کے رُوس کے مفادات کا تحفّظ کیا۔ تحریک احمدیہ نے ہندوستان اور دیگر نوآبادیوں میں برطانوی مفادات کی خاطر خدمات سر انجام دیں۔ تحریک کی نوعیت، افرا انکش اور اس کے بانی کے دعاوی اس کے حقیقی کردار کا تعین کرتے ہیں۔ مذہبی طور پر احمدی (قادیانی) ایک مختلف گروہ ہیں، اور اپنے عقیدے عمل اور دعوے کی بناء پر غیر مُسلم ہیں۔ اس حقیقت کی شہادت اس کے بانی اور اس کے بعد آنے والوں کی کئی تحریروں سے مل جاتی ہے۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ کی متفقہ رائے دہی سے احمدیوں کو غیر مُسلم اقلیّت قرار دے دیا گیا تھا۔ اس کا سہرہ اس وقت کے پاکستانی وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سر جاتا ہے جنھوں نے اس مسئلے پر دلیرانہ موقف اختیار کیا۔ ایک دہائی کے بعد ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو صدر ضیاء الحق نے آرڈیننس xx جاری کر کے اُن کی قسمت پر مہر ثبت کر دی جس میں ان کی طرف سے اسلامی شخصیات اور مقاماتِ مقدسہ کے لیے مخصوص عنوانات و اصطلاحات کے غلط استعمال پر اُنھیں قابلِ تعزیر ٹھہرا دیا گیا۔ اس نے مئی ۱۹۸۴ء

میں چوتھے قادیانی خلیفہ مرزا طاہر احمد کو لندن بھاگنے پر مجبور کر دیا جہاں وہ اب تک رہ رہا ہے۔

میری ذاتی استدعاؤں اور نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر کچھ بڑے احمدیوں نے اس تحریک کے سیاسی کردار کو" افشا " کیا ہے۔ زیادہ تر معاملات میں اُنھوں نے" غداری یا اخراج کے خدشے کی بناء پر اصل حقائق بتانے سے احتراز ہی کیا ہے۔ چند اندرونی" محلاتی داستانوں" کو نوجوان منحرفین۔ پیغامیوں یا لاہوری احمدیوں کے بڑوں (ربوہ جماعت کے قادیانیوں نے انھیں یہ نام دیا ہے۔) تین قادیانی باغی بلکہ خارجی گروپوں اروپی پارٹی، آنجہانی خواجہ اسماعیل کی لندن جماعت اور حقیقت پسندوں نے بیان کیا ہے۔ احرار اور تحفّظ ختم نبوّت کے محرکین نے کسی حد تک مبالغہ آرائی کے ساتھ اپنے ذاتی بیانات دیے ہیں۔ تاہم تاریخ کی اس مسلمہ حقیقت کو با مقصد اور غیر جانبدارانہ انداز میں احاطہ تحریر میں لانے اور بے لاگ الزامات و جذبات سے ہٹ کر حقائق کی چھان بین کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ میں ان تمام کا ممنون ہوں۔

سرکردہ مذہبی عُلماء نے احمدیت پر بہت کچھ لکھا ہے مگر زیادہ تر تحریریں مذہبی مباحث اور اپنے عقائد کے دلیلی دفاع پر مبنی ہیں یہ وقت کی اشد ضرورت ہے کہ انڈیا آفس لائبریری لندن اور پاکستان میں کئی جگہوں پر میسّر اصلی مواد سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے اس کے سیاسی کردار کا پردہ چاک کیا جائے۔

موجودہ مطالعہ تحریک احمدیہ کی سیاسی تاریخ، اُس کی ابتداء اور اس کے برطانوی سامراجیت اور عسکرانہ یہودی قومیت کے ساتھ تعلقات کا احاطہ کرتا ہے۔ ہماری تحریک آزادی اور بعدازاں پاکستان کی اندرونی سیاست میں احمدیوں کے گھناؤنے کردار کو بھی اس میں اجاگر کیا گیا ہے۔ میں دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر محمود احمد غازی کا ان کی مفید مشاورت اور حوصلہ افزائی پر ممنون ہوں۔ میں قابلِ ستائش خیالات اور مفید نظریات کی وجہ سے پروفیسر ظفر اللہ بیگ کا بھی مشکور ہوں۔ میں ملک عبدالمجید صاحب کا ان کی محبت کی مشقت پر تہہ دل سے شُکر گزار ہوں اُنھوں نے اس مسودہ کی رضا کارانہ طور پر ٹائیپنگ کی اور تفویض شُدہ کام کو احتیاط اور لگن کے ساتھ سرانجام دیا۔ کچھ کام مسٹر ضمیر اختر نے انتہائی دلچسپی کے ساتھ مکمّل کیا۔

بشیر احمد

۲۳ مارچ ۱۹۹۴ء

پنجاب انٹیلی جنس کا موقف

پنجاب سی آئی ڈی کی خفیہ رپورٹ تحریک احمدیہ کی پیدائش، افزائش اور ترقی کے بارے میں کیا کہتی ہے۔

مرزا کا خاندان اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

احمدیہ فرقہ کا بانی مرزا غلام احمد جو کہ قادیان ضلع گورداسپور کا تھا۔ ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا۔ اس کے آباء سمرقند کے مغل خاندان سے تھے جو کہ ۱۵۳۰ء میں ہجرت کر کے آئے اور گورداسپور میں مقیم ہوگئے شہنشاہی ادوار میں اس خاندان کی کئی نسلوں کو معزز عہدے حاصل رہے اور صرف سکھوں کے اقتدار کے بعد ہی یہ غربت کا شکار ہوئے۔

مرزا غلام احمد کے دعوے اور مُسلمانوں کا ردِّ عمل

مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ کو رنجیت سنگھ کے دَور میں ایک بار پھر نوازا گیا اور اپنے بھائیوں سمیت اس نے کشمیر کی سرحدوں اور دوسری جگہوں پر مہاراجہ کی فوجوں میں شامل ہو کر قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ برطانویوں نے جب پنجاب کا الحاق کر لیا تو خاندان کی سابق جاگیریں بحال ہوگئیں۔

مرزا غلام مرتضیٰ کو ۷۰۰ روپے کی پنشن کے علاوہ اسے بھائیوں سمیت قادیان اور نزدیکی گاؤں میں حقوق ملکیتی بھی حاصل رہے۔ اس گھرانے نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے دوران اعلیٰ خدمات سرانجام دیں۔

مرزا غلام احمد پہلی دفعہ ۱۸۷۶ء میں منظرِ عام پر آیا جب اس نے دعویٰ کیا کہ اس پہ خُدا کی طرف سے براہ راست وحی آتی ہے۔ ۱۸۸۳ء میں اس نے اپنے آپ کو پیغمبر اور نبی ظاہر کرتے ہوئے پہلی دفعہ اپنی طرف منسوب وحی کو شائع کیا۔ ۱۸۹۱ء میں اُس نے مُسلمانوں کے عقائد میں موجود موعودہ مہدی یا مسیح ہونے کا دعویٰ کیا جس سے اس وقت کے سرکردہ عُلماء کی جانب سے اس کی مذمت میں ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۸۹۱ء تک فتاویٰ جاری کیے گئے جن میں اُسے کافر قرار دیا گیا۔ تاہم جلد ہی وہ ماہر مذہبیت و کلام ہونے کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں لوگوں کی کافی تعداد کو اپنے خیالات سے متفق کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اگرچہ تمام راسخ العقیدہ مُسلمانوں نے اسے ملحد اور کاذب قرار دے کر اس کی مذمّت کی۔ احمدیوں کے عقائد ان دس نکاتی مضمون

میں مختصرًا بیان کیے گئے ہیں۔ جنہیں مرزا اپنی بیعت کی دس شرائط قرار دیتا تھا۔ ان میں تمام مُسلم و غیر مُسلم کے ساتھ ہمدردی اور اس بات پر زور دیا گیا کہ دُنیا اسلام کے زیرِ نگیں جنگ کی بجائے امن سے آئے گی۔ فطری طور پر مرزا کی تحریروں، تقریروں اور تبدیلی مذہب کی لگن کے خلاف غم و غصّہ پیدا ہونا تھا لیکن علم میں اب تک یہی بات آئی ہے کہ ریکارڈ پر ایک بھی واقعہ ایسا درج نہیں کہ احمدیوں کو مساجد اور مُسلمانوں کے قبرستان سے منع کیا گیا ہو یا کسی دیگر طریقے سے اُنھیں ستایا گیا ہو سوائے کٹک کے مقام پر ہونے والے ایک واقعہ کے جہاں قصبہ کی سب سے بڑی مسجد میں چند نو احمدیوں نے عبادت کے طریقہ کار میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی جس پر بقیہ مُسلمان آبادی نے فطری طور پر اعتراض کیا۔

لیکھ رام اور عبداللہ آتھم کے بارے میں پیشینگوئیاں (۱۸۹۱ء-۱۸۹۷ء)

مرزا غلام احمد اپنے مخالفین کی اموات پر مبنی پیشینگوئیوں کی بناء پر مذہبی سے زیادہ فرقہ وارانہ طور پر زیادہ خطرناک ثابت ہُوا۔ ۱۸۸۶ء میں اور بعد میں ۱۸۹۳ء میں اس نے تشدد کے ذریعے پنڈت لیکھ رام کی موت کی پیشینگوئی کی۔ ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو پنڈت لیکھ رام کے قتل سے اس کی پیشینگوئی کی تکمیل ہوگئی۔ غلام احمد کی پیشینگوئی نے فطری طور پر اس قتل میں اس کی معاونت کے بارے شکوک و شُبہات پیدا کر دیے۔ انھی شکوک کی بُنیاد پر حکومت نے قادیان میں مرزا غلام احمد کی خانہ تلاشی کا اجازت نامہ جاری کر دیا۔ تاہم کوئی موردِ الزام ٹھہرانے والا ثبوت میسّر نہ آسکا۔ پنڈت لیکھ رام کی تاریخ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ایک وقت میں وہ شمال مغربی سرحدی صُوبے کی پولیس میں ملازم تھا مگر غیر اخلاقی حرکات اور فرائض سے روگردانی کی بناء پر اس کی تنزلی ہُوئی اور آخر کار ۱۸۸۴ء میں اس نے استعفیٰ دے دیا۔ بعد میں وہ ایک اہم آریہ سماجی مبلغ بن گیا۔ لیکھ رام کے قتل کا ہندو مسلم تعلقات پر فوری اثر پڑا۔

پہلا اثر تو ان دونوں فرقوں کی صلح کی شکل میں نکلا جس سے پہلے آریہ سماجی علیحدہ ہُوئے تھے۔ قدامت پسند ہندوؤں اور سکھوں کی ہمدردیاں آریہ سماج کو حاصل ہوگئیں جنھوں نے پنڈت لیکھ رام کا موازنہ گرو گوبند سنگھ سے کر کے کسی حد تک سکھوں کی حمایت حاصل کر لی۔ اس وقت صُورتِ حال اس وجہ سے مزید پیچیدہ ہوگئی کہ حال ہی میں مُسلمانوں کے ہاتھوں ہندوؤں کے پانچ چھ قتل ہو چکے تھے جو تقریبًا جنونیت پسندی کا نتیجہ تھے۔

پھر بھی احتجاج زیادہ تر لاہور، امرتسر، لدھیانہ، ہشیار پور فیروز پور اور پشاور کے تعلیم یافتہ حلقوں اور طالب علموں تک محدود رہا۔ آریہ سماجیوں نے بدمزگی پیدا کرنے کی کوشش تو کی لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا اور حالات آہستہ آہستہ معمول پر آگئے یہ تجویز بھی پیش ہُوئی کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت مرزا غلام احمد کو پابند ضمانت کیا جائے مگر یہ تجویز پروان نہ چڑھ سکی۔ مرزا غلام احمد کی اس وقت کی پیشینگوئیوں کو وسیع پیمانے پر تشہیر ملنے لگی۔ اس نے اپنے ایک عیسائی مخالف عبداللہ آتھم کی موت کی پیشینگوئی کی جو مرزا کے بیان کردہ عرصے کے دوران ہی فوت ہوگیا۔ ۱۸۹۷ء میں چرچ مشنری سوسائٹی لندن کے رکن ڈاکٹر کلارک نے مرزا کے خلاف فوجداری ضابطہ کی دفعہ ۱۰۹ کے تحت اس الزام کے تحت پرچہ درج کرادیا کہ مرزا نے اس کے قتل پر ایک شخص کو مامور کیا ہے۔ مرزا غلام احمد کو مجاز مجسٹریٹ نے مقدمہ سے خارج کر دیا لیکن پھر بھی اسے تنبیہ کی گئی کہ وہ اشتعال انگیز اور مفسدانہ تحریروں سے باز رہے اور اسے باور کرادیا گیا کہ جب تک وہ معتدل رویّہ اختیار نہیں کرے گا قانون کی دسترس سے نہیں بچ سکے گا۔

مرزا کی وفات (۱۹۰۸ء)

مئی ۱۹۰۸ء میں مرزا کی وفات تک راسخ العقیدہ مُسلمانوں کی معمولی مخالفت کے باوجود مرزا نے اپنے عقائد کی اشاعت جاری رکھی لیکن کچھ مواقع ایسے بھی آئے کہ اُس کی تعلیمات پر شدید غم وغصّے کا بھی اظہار کیا گیا مثلاً نومبر ۱۹۰۵ء میں امرتسر کے مقام پر عوامی اجتماع میں حملے سے بچانے کے لیے پولیس کو مرزا کا تحفّظ کرنا پڑا۔ رمضان کے دوران جس چبوترے سے وہ خطاب کر رہا تھا اسی پر سرِعام کھانے پینے پر اس کے خلاف عوامی غیض وغضب پھُوٹ پڑا۔ اگر مذہب تبدیل کرانے کے جذبات یا پُرزور استدلالی مکالمے بازی کا معاملہ نہ ہوتا تو عموماً وہ ایسی زبان استعمال کرتا تھا جو اس کے حقیقی خیالات و تعلیمات کی عکاسی نہیں کرتی تھی۔ دوسرے مذہب کے بارے میں مرزا کا عمومی موقف روادارانہ ہوتا تھا جو کہ بعض اوقات کسی حد تک نامناسب ہو جاتا تھا۔ چنانچہ جب وہ اپنے دُشمنوں کی اموات کی بڑی سُرعت سے پیشینگوئیاں کر رہا ہوتا تھا اسی وقت وہ مُسلمانوں پر واضح بھی کرتا کہ وہ دوسرے مذاہب کے ارکان کو امن سے رہنے دیں اور اسی طرح ایک طرف وہ پُورے عیسائی مذہب کو جھُوٹا

اور یسوع مخالف قرار دے کر اس کی مذمّت کر رہا ہوتا اسی وقت وہ اُنھیں خُدا کا ایک برگزیدہ پیغمبر بھی مانتا جو کہ خود خُدا نہیں بلکہ خُدا کے پیغمبر تھے۔ جو (ہندوؤں اور مُسلمانوں میں رائج ایک قصّہ کے مطابق) کشمیر میں وفات پا گئے تھے۔ ستمبر ۱۹۰۴ء میں لاہور میں ایک عوامی اجتماع سے مخاطب ہو کر اُس نے کہا کہ وہ تمام غیر اسلامی عقائد کو غلط نہیں مانتا اور مزید کہا کہ اس پہ وحی کی گئی ہے کہ رام چندر اور کرشن خُدا کے سچّے بندے تھے اور ان کو بُرا بھلا کہنے والوں کے بارے میں وہ کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتا۔ وہ بابا نانک کو بھی خُدا کا ایک عبادت گزار خیال کرتا تھا۔

برطانوی حکومت سے وفاداری

حکومت کے بارے میں اس کا رویّہ ہمیشہ سے ہی وفاداری کا رہا۔ ۱۸۹۵ء میں برطانوی حکومت کے بارے میں اپنے رویّہ کی وضاحت کرتے ہُوئے اس نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں جہاد سے انکار اور حکومت کے ساتھ وفاداری و خیر سگالی کا دم بھرا گیا۔

خلیفہ حکیم نُورالدین (۱۹۱۴ء - ۱۹۰۸ء)

۱۹۰۸ء میں اس کی وفات پہ دی گئی ہدایات کہ ایک انجمن احمدیوں کے معاملات کی نگہبانی کرے، کے خلاف حکیم نورالدین خلیفہ بن گیا۔ نُورالدین ۱۸۴۱ء میں بھیرہ میں پیدا ہُوا۔ اُس کا باپ ایک خوشحال انسان تھا جس کا لاہور میں اپنا چھاپہ خانہ تھا۔ اُس کا خاندان اپنا شجرہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاتا۔ نورالدین کا بچپن سے ہی مذہب کی طرف میلان تھا۔ ۱۲ سال کی عمر میں اپنے بڑے بھائی کی مدد سے اُس نے عربی سیکھنا شروع کی اور اوائل عمری میں اپنے والد کے ساتھ وہ اسلامی معرفت منطق و فلسفہ کی مزید تعلیم کے لیے لاہور آ گیا۔ بعد میں اس نے اپنا زیادہ تر وقت علم ادویہ میں صرف کرنا شروع کر دیا اور بعد ازاں وہ رام پور، بھوپال، روہیل کھنڈ اور دلّی چلا گیا تاکہ معرفت اور عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکے وہ مکّہ اور مدینہ بھی گیا اور اپنے وقت کا بڑا حصّہ عُلماء کے پاس گزارا۔ واپسی پہ وہ انتہائی اہم اور فاضل مولوی خیال کیا جانے لگا۔ کچھ وقت اُس نے پنڈ دادن خان کے ایک سکول میں بطور معلم گزارا مگر بعد میں اس کام کو اپنی طبیعت کے موافق نہ جانتے ہُوئے اُسے چھوڑ دیا اور اپنے علاقہ بھیرہ واپس چلا

گیا۔ اور طبیب کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے مؤثر علاج اور علمی شہرت کی وجہ سے اسے ریاست کشمیر کے شاہی حکیم بننے کے مواقع میسّر آ گئے جس پر وہ تقریباً دس سال تک فائز رہا ١٨٨١ء یا اس کے لگ بھگ حکیم نورالدّین کا قادیان کے مرزا غلام احمد سے رابطہ ہوا۔ مرزا کے ظاہر کردہ عقائد و نظریات نے اس کے دل میں گھر کر لیا اور اُس نے اپنے آپ کو مکمل طور پر مذہبی معاملات خصوصاً احمدی نظریات و خیالات کے لیے مختص کر دیا۔ نورالدین نے کئی کتابیں لکھیں جن میں "فصل الکتاب" سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔ یہ عیسائی مذہب کی ایک تشریح ہے جسے مرزا غلام احمد کی خصوصی ہدایت کے تحت لکھا گیا تھا۔ احمدیہ فرقہ میں حکیم نورالدین کو بے پناہ توقیر حاصل تھی اور وہ اس عقیدہ کا ایک اہم ستون خیال کیا جاتا تھا۔ انھی وجوہات کی بناء پر احمدیہ فرقہ کے سرکردہ افراد نے اسے اپنا خلیفہ منتخب کر لیا اور یہ مرتبہ اسے ١٣ مارچ ١٩١٤ء تک یعنی اُس کی موت تک اسے حاصل رہا۔ اپنی خدمت کے دوران نورالدّین نے اپنا زیادہ تر وقت قادیان میں گزارا اور اپنی تمام تر توجہ پُوری لگن اور جذبے کے ساتھ احمدی نظریات و عقائد کی نشر و اشاعت پر مبذول کر لی۔

علیحدگی پسندانہ رجحان اور ترک حامی عناصر (١٩١٤ء)

نورالدّین کی وفات سے تین سال قبل اس گروہ کے پڑھے لکھے ارکان میں ایک علیحدگی پسندانہ رجحان محسوس کیا گیا جو مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر الدّین محمود کے اس نظریئے کے لاگو کرنے پر رنجیدہ تھے کہ آنجہانی مرزا کی بیعت کی دس شرائط کو جو مُسلمان نہ مانے وہ کافر ہے۔ (اصل وجہ یہ نہیں تھی۔ مؤلف) ان اشخاص میں سے چند نے راسخ العقیدہ مُسلمان عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی خاطر طرابلس اور بلقان کی جنگوں کے وقت ترکوں کی حمایت میں احتجاج میں حصّہ لیا اور سرگرمی سے بے وفائی کی۔ اس وقت کی اسلام پسند تحریکوں میں سب سے زیادہ سرگرمی دکھانے والوں میں خواجہ کمال الدّین، مرزا یعقوب بیگ، مرزا صدرالدّین اور ڈاکٹر محمد حسین مشہور ہیں۔ احمدیوں میں سے تاہم انہیں بہت کم پذیرائی حاصل ہو سکی۔

حکیم کی موت اور افتراق (١٩١٤ء)

نُورالدّین کی موت سے یہ فرقہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک گروہ نے "ریویو آف ریلیجنز" کے مدیر محمد علی

ایم اے کی جانشینی کی حمایت کر دی جبکہ دوسرے گروہ نے جسے اکثریت حاصل تھی فرقہ کے بانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کو منتخب کر لیا۔ محمد علی کے رفقاء کار نے لاہور میں ایک علیحدہ مجلس بنالی اور "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام" اور اسی نام سے ایک کالج کی بُنیاد رکھ دی۔ "ریویو آف ریلیجنز" بھی لاہور لے آئے۔ لاہور جماعت زیادہ پڑھے لکھے احمدیوں پر مشتمل ہے جو فرقہ کے بانی کو معنوی کی بجائے تمثیلی طور پر نبی سمجھتے ہیں اور غیر احمدی مُسلمانوں کو مذہب سے خارج نہیں کرتے۔ مرزا غلام احمد کو وہ ایک مذہبی مصلح سمجھتے ہیں، پیغمبر نہیں۔ اُن کے نظریات فرقہ قادیان سے قطعی مختلف ہیں جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ختم نبوت کے نظریہ کو یکسر مسترد کرتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں کی باہمی معاندت کی وجہ سے بعض اوقات یہ ایک دوسرے مذہبی نظریات پر شدید تنقید بھی کرتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں میں سے فرقہ قادیان زیادہ سخت ہے۔ ۱۹۱۹ء میں اُس نے لاہوری گروہ پر براہِ راست حملہ کیا اور اعلان کر دیا کہ اسلامی قوانین کے تحت اس کے رہنما واجب القتل ہیں۔ اس حملے کے جواب میں لاہوری انجمن کے صدر محمد علی نے ایک طویل جواب میں قادیانیوں پر الزام لگایا کہ وہ لاہوری گروہ کے خلاف بے بُنیاد افواہیں پھیلاتے ہیں۔ اس بات میں بہت کم شائبہ ہے کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے اس قدر شدید مخالف ہیں مگر اب تک ان کے تنازعات بیرونِ عدالت ہی طے ہوجاتے ہیں۔

(جاری ہے)

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب

(قسط:۵)

فہمِ حدیث

ایمان، اسلام اور احسان

ایمان کے تقاضے اور لوازم

۱- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ

(بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (کامل) ایمان (ویقین) کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ ان میں سے افضل شعبہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا اور سب سے ہلکا شعبہ یہ ہے کہ تکلیف دہ چیز کو (چلنے کے) رستے سے ہٹا دیا جائے اور حیا بھی ایمان کا ایک بڑا شعبہ ہے (اور حیا سے مُراد ایمان کی وجہ سے آدمی میں پیدا ہونے والا وہ وصف ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے شرم دلاتا ہے اور روکتا ہے اور یہ وصف اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی کو صفت احسان حاصل ہو جائے کیونکہ اس بات کا استحضار کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں یا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں آدمی کے اندر وہ وصف اور قوّت پیدا کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے اجتناب کرے۔ حیا کی اس حقیقت کو ایک اور حدیث میں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

۲- قَالَ علیہ الصلوٰۃ والسلام اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ قَالُوْا اِنَّا لَنَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ قَالَ لَیْسَ ذٰلِکَ وَلٰکِنَّ الْاِسْتِحْیَاءَ مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ اَنْ یَّحْفَظَ الرَّاْسَ وَمَا حَوٰی وَالْبَطْنَ وَمَا وَعٰی یَذْکُرُ الْمَوْتَ وَالْبِلٰی وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ تَرَکَ زِیْنَۃَ

الدُّنیا وآثَرَ الآخِرَۃَ عَلَی الاُوْلیٰ فَمَنْ یَّعْمَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ اسْتَحْییٰ مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ (ترمذی)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک موقع پر موجود صحابہ سے فرمایا اللہ سے اتنی حیا کرو جتنی کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔ صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول اللہ کا شکر ہے کہ ہم اللہ اتنی ہی حیا کرتے ہیں جتنی کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا (جو تم نے سمجھا ہے) وہ (کافی) نہیں ہے بلکہ اللہ سے اتنی حیا کرنا جتنی کہ اس سے کرنی چاہیے یہ ہے کہ (جسم کے کسی حصّے سے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے سے شرمائے لہٰذا) سَر اور اُس کے اندر جو چیزیں ہیں (یعنی آنکھیں، کان، زبان، ہونٹ اور دماغ) ان کی حفاظت کی جائے اور پیٹ اور جو کچھ اس کے اندر ہے (یعنی معدہ اور شرمگاہ) ان کی حفاظت کی جائے اور موت اور (قبر میں) بوسیدگی کو یاد رکھا جائے اور جو کوئی آخرت (کی کامیابی) کو حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ دُنیا کی زیب و زینت کو ترک کر دیتا ہے اور آخرت کو دُنیا پر ترجیح دیتا ہے۔ جو شخص یہ سب کچھ کرتا ہے وہی (حقیقت میں) اللہ سے اتنی حیا کرتا ہے جتنی کہ اس سے کرنی چاہیے۔

فائدہ: مذکورہ بالا حدیث میں ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبوں کا ذکر کیا جن میں صرف عقائد ہی نہیں بلکہ اکثر اعمال و افعال ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ سب ایمانیات کے تقاضے اور لوازم ہیں اور ان کو کرنے سے ایمان کو رونق اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نقایہ میں وہ تمام باتیں جمع کی ہیں جن کو قرآن و حدیث میں ایمان کہا گیا ہے۔

(۱) اللہ کی ذات و صفات پر ایمان اور عالم کے حادث ہونے پر ایمان (۲) اللہ کے فرشتوں پر ایمان ــــ (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان (۴) اللہ کے رسولوں پر ایمان (۵) تقدیر پر ایمان (۶) قیامت کے دن پر ایمان (۷) اللہ کے ساتھ محبت (۸) اللہ کے لیے کسی سے محبت (۹) اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھنا (۱۰) نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے محبت (۱۱) نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم کا اعتقاد رکھنا۔ اس میں آپ پر درود بھیجنا اور آپ کی سُنّت کا اتّباع کرنا شامل ہے (۱۲) اخلاص (اس میں نفاق اور ریاء سے بچنا بھی آگیا) ــــ (۱۳) توبہ کرنا (۱۴) اللہ کی پکڑ سے خوفزدہ ہونا (۱۵) اللہ کی رحمت کی اُمّید رکھنا (۱۶) اللہ کا شُکر ادا کرنا۔

(۱۷) وعدہ پُورا کرنا (۱۸) مصائب پر صبر کرنا (۱۹) اللہ کی قضا پر راضی رہنا (۲۰) حیاء (۲۱) توکل (۲۲) دوسروں پر رحم کرنا (۲۳) تواضع وعاجزی اختیار کرنا (۲۴) تکبّر سے بچنا (۲۵) عجب سے بچنا (۲۶) حسد اور کینہ سے بچنا (۲۷) ناحق غضب سے بچنا (۲۸) توحید الٰہی کا اقرار کرنا (۲۹) تلاوتِ قرآن (۳۰) دین کا علم سیکھنا (۳۱) دین کا علم سکھانا (۳۲) دُعا کرنا (۳۳) ذکر واستغفار کرنا (۳۴) لغو باتوں سے بچنا (۳۵) ظاہری اور حکمی نجاست سے پاکی حاصل کرنا (۳۶) سترِ عورت (۳۷) فرضی ونفلی نمازیں پڑھنا (۳۸) زکوٰۃ اور صدقات دینا (۳۹) غلام آزاد کرنا (۴۰) سخاوت کرنا (۴۱) فرضی و نفلی روزے رکھنا۔ (۴۲) اعتکاف کرنا (۴۳) لیلۃ القدر کی جستجو کرنا (۴۴) حج کرنا (۴۵) عمرہ کرنا (۴۶) طواف کرنا (۴۷) دین کی حفاظت کے لیے نقل مکانی کرنا (۴۸) نذر پوری کرنا (۴۹) کفارہ ادا کرنا (۵۰) نکاح کے ذریعہ عفت حاصل کرنا (۵۱) عیالداری کے حقوق ادا کرنا (۵۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک (۵۳) اولاد کی تربیت (۵۴) صلہ رحمی (۵۵) بزرگوں کی اطاعت کرنا (۵۶) غلاموں پر نرمی کرنا (۵۷) حکومت عدل وانصاف کے ساتھ کرنا (۵۸) مُسلمانوں کی اجتماعیت کی پیروی کرنا (۵۹) حاکموں کی اطاعت کرنا (۶۰) لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا۔ (۶۱) نیکی کے کاموں میں تعاون کرنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا (۶۲) حدود کو قائم کرنا (۶۳) جہاد کرنا (۶۴) امانت ادا کرنا (۶۵) قرض دینا اور واپس کرنا (۶۶) پڑوسی کا اکرام کرنا (۶۷) معاملات جائز طریقہ سے کرنا (۶۸) صحیح جگہ پر مال خرچ کرنا (۶۹) سلام کا جواب دینا (۷۰) چھینکنے والے کو، الحمد للہ کہنے پر یرحمک اللہ کہنا (۷۱) لوگوں سے تکلیف ونقصان کو دُور کرنا۔ (۷۲) لہو سے اجتناب کرنا (۷۳) رستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا (۷۴) جو حکومت حق ہو اس کے خلاف بغاوت یعنی ناحق خروج کرنے والوں سے لڑنا۔

مذکورہ بالا چند باتوں کو احادیث میں یُوں بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ عَنِ العباس بن عَبدِ المُطَّلِبِ اَنّہ، سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یَقُوْلُ ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسلامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً (مسلم)

حضرت عبّاس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اُنھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا کہ اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا اور اس کو ایمان کی لذت

حاصل ہوگئی) جو (دل گرویدگی اور شعور کے ساتھ) اللہ کو اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنا رسول (اور ہادی) ماننے پر راضی ہوگیا۔

۲۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ثلاث من کن فیہ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوٰھُمَا وَ اَنْ یُّحِبَّ المرءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ وَاَنْ یَکْرَہَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تین چیزیں ہیں کہ جس شخص میں یہ اکٹھی ہو جائیں اس نے تو ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کو پالیا۔ ایک یہ کہ اللہ اور اُس کا رسول ان کو ان کے تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (اور اُن کے ہر مطالبہ اور ہر حکم کو پُورا کرنے کے لیے مستعد ہو) دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لیے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی ناگواری (اور نفرت و اذیت) ہو جیسی کہ آگ میں ڈالنے سے ہوتی ہے۔

۳۔ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم میں کوئی (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے (دینی) بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

۴۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ و مَنَعَ لِلّٰہِ فقد اسْتَکْمَلَ الایمان (ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جس نے اللہ ہی کے لیے (کسی سے) محبت کی اور اللہ ہی کے لیے (کسی سے) دُشمنی کی اور اللہ ہی کے لیے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا اور نہ دیا (جس کو منع کرنا اور نہ دینا اللہ کے نزدیک بہتر سمجھا) تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کرلی (کیونکہ اس نے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی

کو اپنا نصب العین بنالیا ہے لہٰذا سب کاموں میں اسی کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔)

۵۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم (اول وہلہ میں) جنّت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم (کمال) ایمان والے نہ ہو جاؤ اور تم (کمال) ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک تم میں ایمان کے دیگر اوصاف کے ساتھ یہ وصف بھی نہ پیدا ہو جائے کہ تم باہم محبت کرنے لگو۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتاؤں کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے (وہ بات یہ ہے کہ) تم اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ (اور اس کو رواج دو)۔

۶۔ عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ الْخُزَاعِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قَالَ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ وَمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ (بخاری)

حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اللہ کی قسم وہ شخص (کامل) مومن نہیں اللہ کی قسم وہ شخص (کامل) مومن نہیں۔ اللہ کی قسم وہ شخص (کامل) مومن نہیں۔ پُوچھا گیا یا رسول اللہ کون شخص (کامل) مومن نہیں ہے آپ نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو۔

۷۔ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یَقُوْلُ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ (بیہقی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ وہ شخص (کامل) مومن نہیں جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔

۸۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اَکْمَلُ

اَلْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا۔ (ابوداؤد)

۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

۱۰۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ (ترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے اسلام کی خوبی (اور اس کے کمال) میں اس کا اس سے غیر متعلقہ باتوں کو ترک کرنا شامل ہے۔ (کیونکہ لایعنی اور فضول چیزوں اور مشاغل میں اپنے وقت کو جو کہ آخرت کے اعتبار سے بڑا سرمایہ ہے برباد کرنا بڑی جہالت اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔

۱۱۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تم میں بری (اور خلافِ شرع) بات دیکھے تو لازم ہے کہ (اگر طاقت رکھتا ہو تو) اپنے ہاتھ (یعنی اپنے زورِ قوت) سے اس کو بدل دے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان ہی سے بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی سے (اس کو بُرا سمجھے اور اس کو مٹانے اور بدل ڈالنے کا جذبہ دل میں رکھے اور اس کے لیے تدبیر بھی سوچے اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے۔

۱۲۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِلَّا قَالَ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ (بیہقی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت کی خصلت نہیں اس میں (کمال) ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس میں (کمال) دین نہیں۔

۱۳۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ هُوَ یَعِظُ اَخَاہُ فِی الْحَیَاءِ فقال رَسُوْلُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم دَعْہُ فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ (بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے وہ اپنے بھائی کو زیادہ شرم کرنے پر سمجھا رہا تھا (کہ زیادہ شرم نہ کرنی چاہیے) آپ نے فرمایا اس کو رہنے دو (اور اسے غلط نصیحت نہ کرو) کیونکہ شرم کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے (اس لیے کہ وہ گھٹیا اخلاق اور حرکتوں سے روکتی ہے)

۱۴۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَغَارُ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغَارُ وَ غَیْرَۃُ اللّٰہِ اَنْ لَّا یَاْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللّٰہ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے (اسی وجہ سے جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے کھلی اور چھپی تمام بے حیائیوں سے منع فرمایا ہے) اور مومن بندے کو بھی غیرت آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اس کا مومن بندہ اس چیز کا ارتکاب کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت کی صفت کسی کو محبوب نہیں اور اس کو بڑی غیرت آتی ہے کہ کوئی عورت یا مرد اس کی مخلوق ہو کر زنا کرے)

۱۵۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالْمُؤْمِنُ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَاءِھِمْ وَ اَمْوَالِھِمْ (ترمذی ونسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں امن میں ہوں۔

۱۶- عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ جَاءَتْ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عَجُوْزٌ فَقَالَ مَنْ اَنْتِ قَالَتْ جَثَّامَۃُ المزنیۃُ قَالَ بَلْ اَنْتِ حَسَّانَۃُ الْمُزَنِیَّۃُ کَیْفَ حَالُکُمْ کَیْفَ کُنْتُمْ بَعْدَنَا قَالَتْ بِخَیْرٍ فَلَمَّا خَرَجَتْ قُلْتُ تُقْبِلُ ھٰذَا الْاِقْبَالَ عَلٰی ھٰذِہٖ قَالَ اِنَّھَا کانت تَاْتِیْنَا اَیَّامَ خَدِیْجَۃَ وَاِنَّ حُسْنَ الْعَھْدِ مِنَ الْاِیْمَانِ (حاکم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک بوڑھی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے پوچھا تم کون ہو۔ اُس نے کہا میں جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا ہم تمہارا بہتر نام رکھ دیتے ہیں لہٰذا تم جثامہ (بہت سونے اور بیٹھے رہنے والی عورت) نہیں بلکہ حسانہ (خوبیوں والی عورت) مزنیہ ہو۔ اچھا کہو ہمارے بعد تمہارے حالات کیسے گزرے؟ اس نے عرض کیا سب خیریت رہی ۔جب وہ چلی گئی تو (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں) میں نے عرض کیا ایک معمولی سی بڑھیا پر آپ کی اتنی توجہ ؟ (اس کی کیا وجہ ہے ؟ آپ نے فرمایا یہ خدیجہ کی زندگی میں ہمارے گھر آیا کرتی تھی اور قدیم شناسائی کے حقوق کی رعایت کرنا بھی ایمان کی ایک بات ہے۔

۱۷- عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اِیَاسِ بْنِ ثَعْلَبَۃَ قَالَ ذَکَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یَوْمًا عِنْدَہُ الدُّنْیَا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ اِنَّ الْبَذَاذَۃَ مِنَ الْاِیْمَانِ (احمد و ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بعض صحابہ نے دُنیا کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا سُن لو اور خوب سُن لو کہ (تواضع اور اپنے نفس کی شکستگی کی نیت سے) زینت نہ کرنا اور گاہ گاہ شکستہ حالت میں رہنا بھی ایمان کا اثر ہے

(جاری ہے)

حاصلِ مُطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

نیت کا پھل

حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا، پُوچھا حضرت آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہُوا، فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور نہایت چین میں ہوں مگر ہمارا پڑوسی ہم سے بھی بڑھ گیا، حالانکہ نہ اُس نے وہ مجاہدات کیے جو ہم نے کیے تھے نہ طریقِ سلوک طے کیا وہ بیچارہ اہل وعیال والا تھا سوائے ضروریات واجبات و فرائض کے کچھ نہ کرتا تھا، دن بھر اہل وعیال کے لیے کسبِ معاش کرتا تھا لیکن ہر وقت اس میں رہتا تھا کہ کاش میرے لیے بھی کبھی وہ دن آئے کہ ابراہیم بن ادہم کی طرح مطمئن ہو کر اللہ کا نام لوں اور یہ حال ہو ؎

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ روئے
بہ از انکہ چترِ شاہی ہمہ روز ہائے و ہُوئے

(فراغِ قلب سے ایک نظر محبوب کے چہرہ پر ڈالنا شاہی چھتری سے بہتر ہے کہ سلطنت کی ہائے ہو کا شور ہو) اور یہ حال ہو ؎

چہ خوش است با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن
درِ خانہ بند کردن سرِ شیشہ باز کردن

(کیا ہی اچھا ہو کہ تیرے ساتھ تنہائی میں ایک مجلس ہو۔ گھر کا دروازہ بند کر کے جام کی مُہر کھولی جائے۔)

ساری عمر وہ اِسی تمنّا میں رہا مگر ایک دن بھی اُسے فراغ نصیب نہ ہُوا لیکن آج جو اُس کو درجات ملے ہیں ابراہیم ان کو ترس رہا ہے اور حق تعالیٰ نے اُس کی نیت پر نظر فرمائی گو عمل قلیل تھا مگر اُس کا ارادہ تو ہر وقت یہی تھا کہ ذرا فراغ نصیب ہو تو یوں ذکر کروں اِس طرح نمازیں پڑھوں اور اِس طرح مجاہدات کروں بس اس کی یہ نیت قبول ہوگئی۔"[۱]

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جو واقعہ تحریر فرمایا ہے اِس کی تائید اُس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد منقول ہے" نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ"[۲] مؤمن کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔ اہلِ ایمان کو چاہیے کہ جس قدر ہو سکے اعمالِ صالحہ کے بجالانے کی نیت رکھا کریں تاکہ اگر کسی وجہ سے عمل نہ بھی ہو سکے تو کم از کم نیت پر تو اجر کے مستحق بن سکیں۔ الٰہی ہم اپنی بساط کے مطابق اعمال صالحہ بجالانے اور تیری یاد میں زندگی گزارنے کی نیت رکھتے ہیں الٰہی توفیق عطا فرما اور محض اپنے فضل و کرم سے ہم ضعیفوں کو اجر و ثواب عطا فرما۔ آمین.

ہم ضعیف ہیں

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"مجھے ایک حکایت یاد آئی خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کی کہ آپ کی نظر سے یہ حدیث گزری کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم جَو کی روٹی کھاتے تھے اور بغیر چھانے ہُوئے، بس یہ طریقہ تھا کہ آٹے میں پھونک مار کر بھوسی اُڑا دی جو رہ گیا اس کی روٹیاں پکالیں، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہاں چھاننے کا طریقہ نہ تھا جب آپ نے یہ حدیث دیکھی تو

---

[۱] وعظ تقلیل الکلام مشمولہ خطبات حکیم الاُمّت ج ۲۷ ص ۲۹۱

[۲] احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۶۶

خدّام سے فرمایا سُنّت یہ ہے کہ جو کا آٹا بے چھنا ہو، یہ چھاننا خلافِ سُنّت ہے بس آج سے چھانا نہ جائے چنانچہ آپ کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا گیا اور بے چھنے جو کے آٹے کی روٹی پکائی گئی، مگر اُس کو جو کھایا تو سب کے پیٹ میں درد ہوگیا۔اب وقت ہے امتحان کا، کوئی بے ادب تو یہ کہتا کہ اچھا اتّباعِ سُنّت کیا جس سے یہ تکلیف ہُوئی مگر وہ لوگ نہایت مُؤدّب تھے کہنے لگے کہ درحقیقت ہم نے بے ادبی کی کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا کہ ہر عمل میں کمال حاصل کرنا چاہا، اور ہم نے کامل اتّباعِ سُنّت کا دعویٰ کیا، ابھی ہم اس قابل نہیں، ہم ضعیف ہیں، ہم کو رُخصت پر عمل کرنا چاہیے، بس آٹا تو جَو ہی کا ہو لیکن چھنا ہُوا ہو ہم کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ایک درجہ نیچے رہنا چاہیے، سبحان اللہ کیا احترام ہے، اَب مُسلمانوں سے یہ بات کم ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ تو بہت دقیق ادب تھا، اَب تو بہت موٹے موٹے موقع پر استخفاف (خفیف جاننا) کرتے ہیں اور تحقیر کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ادب کیا کہ سُنّت میں کسی طرح کی کمی نہیں نکالی بلکہ خود اپنے اندر ضعف سمجھا" [1]

"اسمِ اعظم" جاننے کے لیے بڑی اہلیت کی ضرورت ہے

"اسمِ اعظم" کے متعلّق روایاتِ حدیث میں کثرت سے یہ وارد ہُوا ہے کہ جو دُعا بھی اُس کے بعد مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ اسمِ اعظم کیا ہے ؟ اِس سلسلہ میں روایات مختلف وارد ہُوئی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ مُبارکہ ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کو جو عظیم الشّان ہوتی ہے اُسے مخفی فرما دیتے ہیں جیسا کہ شب قدر، جمعہ کے دن قبولیتِ دُعا کی گھڑی وغیرہ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے "اسمِ اعظم" کو بھی مخفی فرما دیا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے "اسمِ اعظم" کو اِس طرح مخفی فرما دینے میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ ایک حکمت بظاہر یہ نظر آتی ہے کہ "اسمِ اعظم"

---

[1] وعظ اجابۃ الداعی مشمولہ خطبات حکیم الاُمّت ج ۲۱ ص ۳۱

جاننے کے لیے بڑی اہلیّت اور تحمل کی ضرورت ہے اور وہ ہم میں ہے نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں صریحاً بتلایا ہی نہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اِس سلسلہ میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے یہ حکمت بخوبی سمجھ آتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"اسمِ اعظم" معلوم ہونے کے لیے بڑی اہلیّت اور بڑے ضبط و تحمّل کی ضرورت ہے ایک بزرگ کا قصّہ لکھا ہے کہ ان کو اسم اعظم آتا تھا، ایک فقیر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے تمنّا و استدعا کی کہ مجھے بھی سکھا دیجیے ان بزرگ نے فرما دیا کہ تم میں اہلیّت نہیں ہے، فقیر نے کہا کہ مجھ میں اس کی اہلیّت ہے تو بزرگ نے فرمایا: اچّھا فلاں جگہ جا کر بیٹھ جاؤ اور جو واقعہ وہاں پیش آئے اس کی مجھے خبر دو، فقیر اس جگہ گئے، دیکھا کہ ایک بُوڑھا شخص گدھے پر لکڑیاں لادے ہوئے آ رہا ہے۔ سامنے سے ایک سپاہی آیا جس نے اس بُوڑھے کو مار پیٹ کی اور لکڑیاں چھین لیں، فقیر کو اس سپاہی پر بہت غصّہ آیا، واپس آکر بزرگ سے سارا قصہ سُنایا اور کہا کہ مجھے اگر اسمِ اعظم آجاتا تو اس سپاہی کے لیے بددُعا کرتا، بزرگ نے کہا کہ اس لکڑی والے ہی سے میں نے "اسمِ اعظم" سیکھا ہے"۔ [۱]

بُڑھاپا:

انسانی زندگی کے تین احوال ہیں۔ (۱) بچپن (۲) جوانی (۳) بُڑھاپا، ان کالموں میں اس وقت بڑھاپے کے بارے میں کچھ باتیں عرض کی جائیں گی۔

کتاب وسُنّت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان کا بُڑھاپا اعمالِ خیر میں گزرے تو یہ نہایت محمود ہے اور اگر خدانخواستہ اعمالِ بد میں گزرے تو بہت ہی بُرا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا:

---

[۱] فضائل ذکر ص۱۱۱ مشمولہ فضائل اعمال طبع مکتبہ مدنیہ لاہور

اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ ؟ بہترین انسان کون ہے فرمایا: مَنْ طَالَ عُمْرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں پھر اُن صاحب نے سوال کیا: فَاَیُّ النَّاسِ شَرٌّ بدترین انسان کون ہے؟ فرمایا: مَنْ طَالَ عُمْرُہٗ وَسَآءَ عَمَلُہٗ[1] جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل بُرے ہوں۔

احادیثِ مُبارکہ سے مفہوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑھاپے کی بڑی قدر ہے، چنانچہ ایک حدیث میں مَرْوِی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں" مَا اَکْرَمَ شَابٌّ شَیْخًا مِّنْ اَجْلِ سِنِّہٖ اِلَّا قَیَّضَ اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَ سِنِّہٖ مَنْ یُّکْرِمُہٗ"[2] جو نوجوان کسی بُوڑھے شخص کی اُس کے بڑھاپے کے سبب تعظیم وتکریم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے بڑھاپے کے وقت کسی ایسے شخص کو متعیّن کر دیتے ہیں جو اُس کی تعظیم وتکریم کرتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں آپ کا یہ ارشاد مروی ہے" اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ"[3] الحدیث، بُوڑھے مُسلمان کی تعظیم وتوقیر کرنا اللہ کی تعظیم وتوقیر میں داخل ہے۔

ایک حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اِس سے حیاء اور شرم آتی ہے کہ وہ کسی بُوڑھے مُسلمان کو عذاب دیں۔ اس سلسلہ میں ایک محدّث حضرت یحییٰ بن اکثمؒ (م: ۲۴۲ھ) کا واقعہ مشہور ہے۔ تاریخ کے حوالے سے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

یحییٰ بن اکثمؒ کا واقعہ

خطیب بغدادی اپنی سند سے رقمطراز ہیں

"محمد بن سلم الخواص جو ایک صالح شیخ ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن اکثمؒ کو خواب میں دیکھا تو اُن سے پُوچھا: مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ؟ اللہ تعالیٰ نے تمہارے

---

[1] مسند دارمی و مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ ص۴۵۰　[2] ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص۴۲۳

[3] ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ص۴۲۳

ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ اُنھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا: او گنہگار بوڑھے اگر تیرے بڑھاپے کا خیال نہ ہوتا تو میں تجھے آگ سے جلا ڈالتا، یہ سُن کر میری وہ حالت ہوئی جو ایک غلام کی آقا کے سامنے ہوا کرتی ہے جب مجھے افاقہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا: او گنہگار بوڑھے اگر تیرے بڑھاپے کا خیال نہ ہوتا تو مَیں تجھے آگ سے جلا ڈالتا، میری پھر وہی حالت ہوئی۔ جب مجھے افاقہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تیسری مرتبہ پھر وہی ارشاد فرمایا؛ پھر جب مجھے افاقہ ہُوا تو مَیں نے عرض کیا: میرے مولیٰ کیا مجھے آپ کی جانب سے یہ حدیث نہیں پہنچی؟ ارشاد ہُوا کیا حدیث پہنچی ہے؟ مَیں نے عرض کیا:

"حدثنی عبد الرزاق بن همام حدثنا معمر بن راشد عن ابن شهاب الزهری عن انس بن مالك عن نبیك صلى الله علیه وسلم عن جبریل عنك یا عظیم انك قلت: مَا شَابَ لِیْ عَبْدٌ فِی الْاِسْلَامِ شَیْبَةً اِلَّا اسْتَحْیَیْتُ مِنْهُ اَنْ اُعَذِّبَهٗ"

مجھ سے عبد الرزاق رحؒ نے کہا اُن سے معمر رحؒ نے کہا اُن سے زہری رحؒ نے کہا اِنھوں نے حضرت انس رضؓ سے نقل کیا اُنھوں نے آپ کے نبی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نقل کیا اور آپ صلعم نے جبریل سے نقل کیا، اُنھوں نے اے عظیم و برتر آپ سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا: جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو مجھے اُس سے حیا آتی ہے کہ مَیں اُسے آگ میں عذاب دوں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"صدق عبد الرزاق، وصدق معمر وصدق الزهری وصدق انس وصدق نبیّی، وصدق جبرائیل انا قلت ذالك انطلقوا به

عبد الرزاق رحؒ نے بھی سچ کہا، معمر رحؒ نے بھی سچ کہا، زہری رحؒ نے بھی سچ کہا، انس رضؓ نے بھی سچ کہا، میرے نبی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے بھی سچ کہا جبرائیل نے بھی سچ کہا، واقعی مَیں نے یہ بات کہی ہے، فرشتو: اِنھیں

الی الجنة"[۱] (یعنی یحییٰ کو) جنّت میں لے جاؤ۔

قاضی یحییٰ بن اکثم اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث، فقیہ اور مجتہد تھے امام بخاریؒ و ترمذیؒ جیسے کبار محدثین آپ کے شاگرد ہیں، خدا تعالیٰ نے آپ کو ذہانت و فطانت خُوب عطا فرمائی تھی اِسی بنا پر خلیفہ مامون رشید نے اپنے دَورِ خلافت میں آپ کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز کیا تھا۔

جس وقت آپ کو بصرہ کا حاکم بنایا گیا تو اُس وقت آپ کی عمر تقریباً بیس سال تھی اِس کم عمری میں حاکم بنائے جانے پر اہل بصرہ نے آپ کو کمسن سمجھا حتّٰی کہ ایک شخص آپ سے پُوچھ ہی بیٹھا کہ آپ کی عمر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: عَتّاب بن اَسِیدؓ سے جن کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مکہ مکرمہ کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، اور مُعاذ بن جَبَلؓ سے جن کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا اور کعب بن سور سے جن کو فاروق اعظمؓ نے بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجا تھا عمر میں زیادہ ہوں"۔[۲]

مامون رشید کے بچّوں کے اَتالیق ابوالعالیۃ الشامی کہتے ہیں کہ

"جس زمانہ میں یحییٰ بن اکثم قاضی القضاۃ تھے اُن سے ایک شخص ملا اس نے کہا اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کا بھلا کرے یہ تو بتلائیے مَیں کس قدر کھایا کروں؟ آپ نے فرمایا: اتنا کھاؤ کہ بُھوک ختم ہو جائے لیکن شکم سیر نہ ہو، اس نے پُوچھا کہ کتنا ہنسا کروں؟ آپ نے فرمایا: اتنا ہنسو کہ چہرہ کِھل جائے لیکن آواز بلند نہ ہو، اس نے پُوچھا کہ کتنا روؤں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے خوف سے رونے میں کبھی نہ اُکتاؤ (جس قدر رو سکتے ہو روؤ) اس نے سوال کیا کہ مَیں اپنے عمل کو کس قدر چُھپاؤں؟ فرمایا مقدور بھر، اُس نے پُوچھا کہ عمل کو کتنا ظاہر کروں؟ فرمایا: اتنا ظاہر کرو کہ خشکی پر بسنے والے تمہاری اقتدا کرنے لگیں اور تم لوگوں کی نکتہ چینی سے بچے رہو۔ وہ شخص یہ جوابات سُن کر بولا سبحان اللہ"۔[۳]

قاضی صاحب کی زندگی کا وہ دن انتہائی عظیم دن شمار کیا جاتا ہے جس دن آپ نے مامون رشید سے بات کر کے متعہ کے حلال ہونے کا اعلان رُکوایا تھا، خطیب بغدادی نے اپنی سند سے یہ پورا واقعہ

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۰۳ [۲] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۹۹ [۳] ایضاً ج ۱۴ ص ۲۰۰

ذکر کیا ہے ہم اُن کے حوالے سے یہ واقعہ قارئین کی نذر کرتے ہیں، خطیب لکھتے ہیں۔

"محمد بن منصور کا کہنا ہے کہ ہم مامون کے ساتھ شام کے راستے میں تھے کہ مامون کے حکم سے متعہ کے حلال ہونے کا اعلان کیا گیا۔ قاضی یحییٰ بن اکثمؒ نے ہم سے (یعنی محمد بن منصور اور محمد بن ابی داؤد وغیرہ سے) کہا کہ صبح کو تم مامون کے پاس جانا اور اُس سے بات کرنے کی کوئی صُورت بنے تو بات کرنا ورنہ میرے آنے تک خاموش رہنا، محمد بن منصور کہتے ہیں کہ ہم مامون کے پاس گئے تو وہ مسواک کر رہا تھا اور غصّہ میں بھرا یہ کہہ رہا تھا کہ حضور علیہ السّلام اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں دو متعے جائز تھے اور مَیں اُن سے روکتا رہا، اے فلاں تو کون ہوتا ہے کہ اس کام کو روکے جسے نبی علیہ السّلام اور ابوبکر نے کیا ہو؟ احمد بن ابی داؤد کہتے ہَیں کہ مَیں نے محمد بن منصور کو اشارہ کیا کہ خاموش رہنا، یہ تو (العیاذ باللہ) حضرت عمرؓ کے بارے میں ایسی باتیں کر رہا ہے ہم اس سے کیا بات کریں، چنانچہ ہم تو خاموش رہے کوئی بات نہیں کی، اتنے میں قاضی یحییٰ آئے اور آکر بیٹھ گئے، اُنھیں دیکھ کر ہم بھی بیٹھ گئے، مامون نے قاضی صاحب سے پُوچھا خیر تو ہے تمہارا چہرہ کچھ بدلا بدلا نظر آرہا ہے؟ قاضی صاحب بولے امیرالمؤمنین اسلام میں ایک بدعت جاری ہو گئی ہے اُس کا غم ہے، مامون نے پُوچھا کونسی بدعت جاری ہوئی ہے؟ فرمایا: زنا کے حلال قرار دیے جانے کا اعلان، مامون نے پُوچھا زنا کے حلال ہونے کا؟ قاضی صاحب نے کہا کہ ہاں متعہ زنا ہی تو ہے۔ مامون کہنے لگا کہ یہ کیسے کہہ رہے ہو؟ قاضی صاحب بولے اللہ کی کتاب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث کی بُنیاد پر کہہ رہا ہوں چنانچہ آپ نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے لے کر وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حَافِظُوْنَ، اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ، فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعَادُوْنَ تک آیاتِ مبارکہ تلاوت کیں (جن کا ترجمہ یہ ہے "بلا شبہ اُن مُسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں

اور جو لغو و بیکار باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے کیونکہ اُن پر کوئی الزام نہیں ہاں جو ان کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کے طلب گار ہوں ایسے لوگ حدِ شرعی سے نکلنے والے ہیں۔" (اِن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف دو قسم کی عورتوں سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے، بیوی یا باندی) ان آیات کی تلاوت کے بعد قاضی صاحب نے مامون سے دریافت کیا کہ امیر المؤمنین یہ بتلایئے جس عورت سے متعہ کیا جائے گا وہ باندی ہوگی ؟ مامون نے کہا کہ نہیں قاضی صاحب نے کہا کہ پھر وہ بیوی ہوگی جسے شوہر کی وراثت ملتی ہے اور شوہر کو اُس کی وراثت ملتی ہے اور جس کا بچّہ شوہر سے لاحق کیا جاتا ہے ؟ اور ہاں کیا اِس کی اور بیوی کی تمام شرائط یکساں ہوں گی ؟ مامون بولا کہ ایسا تو نہیں ہے، قاضی صاحب نے کہا کہ پھر بیوی اور باندی کو چھوڑ کر متعہ کرنے والا تو صاف عَادِیْنَ (یعنی حدِ شرعی سے تجاوز کرنے والوں) میں سے ہُوا۔ قاضی صاحب مزید بولے کہ امیر المؤمنین دیکھیے یہ امام زہریؒ ہیں جو اپنی سند سے حضرت علی رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا : مجھے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ مَیں مُتعہ کی ممانعت اور اُس کی حُرمت کا اعلان کر دُوں بعد اس کے کہ آپ نے اس کی اجازت دی تھی، محمد بن منصور وغیرہ کہتے ہیں کہ مامون ہماری طرف متوجہ ہو کر پُوچھنے لگا کہ زہریؒ کی یہ حدیث محفوظ ہے ؟ ہم نے کہا کہ ہاں امیر المؤمنین یہ محفوظ ہے اِس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں امام مالکؒ بھی شامل ہیں، مامون بولا استغفر اللہ، تم لوگ متعہ کی حرمت کا اعلان کر دو، چنانچہ اِن حضرات نے متعہ کی حرمت کا اعلان کیا۔"[1]

قاضی صاحب کی زندگی میں شروع میں کچھ رنگینیاں بھی تھیں لیکن آخر میں وہ بالکل بدل گئے تھے۔ ۲۴۲ ہجری میں جب قاضی صاحب حج سے فراغت کے بعد واپس آ رہے تھے کہ مدینہ طیّبہ کے قریب ایک گاؤں رَبذَہ میں آپ کا انتقال ہو گیا اور وہیں آپ کی تدفین ہُوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۹۹

بزمِ قارئین

مئی کے شمارہ میں جناب محترم پروفیسر میاں محمد افضل صاحب برادر حضرت مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مضمون بعنوان "خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے" شائع ہوا تھا جس پر محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد رمضان صاحب مرزا نے ایک خط اس تاکید کے ساتھ تحریر فرمایا کہ اس کو شائع بھی کر دیا جائے ہم نے یہ خط پروفیسر میاں محمد افضل صاحب کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ وہ اس کو پڑھ کر اگر ضروری سمجھیں تو مزید وضاحت کے ساتھ اس کا جواب تحریر فرما دیں تاکہ ایک ہی شمارے میں جواب اور جواب الجواب قارئین کرام کی نظر سے گزر جائے تاکہ حنفی مسلک کی پوری وضاحت کے ساتھ ساتھ سوال و جواب کا مزید سلسلہ بھی ختم ہو جائے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومی و محترمی جناب سید محمود میاں صاحب

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مَیں آپ کے رسالہ انوارِ مدینہ کا مستقل قاری ہوں اور اس میں شائع مضامین پوری دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔ مئی کے شمارے میں جناب پروفیسر محمد افضل صاحب کا مضمون بسلسلہ حج پڑھا۔ اس کے بارے میں عرض کرنا ہے۔ اُن کا فرمان :

"جب حجاج کرام کی واپسی ہوتی ہے تو جدّہ میں تفسیر کے نام پر اُنھیں غیر مقلدین کے ترجمہ اور تفسیر والے قرآنِ پاک تھما دیے جاتے ہیں۔"

اسی تفسیر کے صفحہ ۲ پر درج ہے (سورہ فاتحہ کے بارے میں) :

"یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک سلف کی اکثریّت کا قول یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو تو نہ پڑھے اگر نہ سن رہا ہو تو

پڑھے (مجموع فتاوٰی ابنِ تیمیہ ۲۳/۲۶۵)
صفحہ ا پر درج ہے :
" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا گیا : امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اُس وقت کیا کریں ؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :
" امام کے پیچھے تم سورہ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو" (صحیح مسلم)

ان دونوں باتوں سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس تفسیر پر اعتراض مناسب نہیں ہے۔

یہی تفسیر پاکستان میں " احسن البیان" کے نام سے دستیاب ہے۔ اُس میں مندرجہ بالا حضرت امام ابن تیمیہ کا فتوٰی نہیں دیا ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ سعودی گورنمنٹ نے اس تفسیر میں مختلف اہلِ سُنّت کے مکتبہ فکر کے اختلاف کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کچھ تبدیلیاں پہلے ہی کر دی ہیں۔ اس لیے پروفیسر افضل صاحب کا اعتراض مناسب نہیں ہے۔ مہربانی فرما کر میرا خط شائع فرما دیں۔ تاکہ غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔

والسّلام

نیازمند

محمد رمضان مرزا

✻

نہ تم صدمے ہمیں دیتے
نہ ہم فریاد یُوں کرتے

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہِ الکریم :

بندہ نے ایک مضمون بعنوان " خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سُن لے" بہ سلسلہ حج ۲۰۰۱ء تحریر کیا تھا۔ جو ماہنامہ " انوارِ مدینہ" لاہور کے مئی ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں شائع ہُوا۔ اِس مضمون کا مقصدِ وحید وزارتِ حج کے کارپردازوں کو حجاجِ کرام کی تکالیف اور ذہنی پریشانیوں سے آگاہ کرنا تھا۔ اِس مضمون کے ایک حصّہ پر محترم پروفیسر جناب ڈاکٹر محمد رمضان مرزا صاحب نے اعتراض فرمایا ہے کہ مَیں نے غیر مقلدین کے تفسیر و ترجمہ جو حجاج کرام میں تقسیم کیا جاتا ہے اسے ناپسند کیوں کیا ہے اور اِس تقسیم کو بند کرنے کا مطالبہ

کیوں کیا ہے۔ تو جواباً عرض ہے کہ غیر مقلدین کے ترجمہ و تفسیر کی تقسیم کو مَیں نے اس لیے پسند نہیں کیا اور اربابِ حکومت کو اِس سلسلہ میں متوجہ کرنے کی کوشش اس لیے کی ہے کہ اس کی وجہ سے پاکستانی نوے فیصد حجاج کرام کے عقائد خراب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ نوے فیصد حاجی اہلِ سنّت والجماعت حنفی ہوتے ہیں۔ جب اُن کو ایسی تفسیر پڑھنے کو دی جائے گی جس میں اُن کے مسلّمات (عدم قرأۃ خلف الامام توسل فی الدعا، سماع موتیٰ اور حیاۃ النبی) کے خلاف باتیں بڑی شد و مد کے ساتھ درج کی گئی ہوں تو اُن کا تذبذب میں پڑنا اور اپنی مسلّمات کے بارہ میں ڈھل مِل یقین ہونا ایک لازمی امر ہے۔ کیونکہ اکثر حجاج کرام صرف مسئلہ پُوچھ کر اُس پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں اس لیے کم ازکم "اپنا مسلک چھوڑا نہ جائے اور غیر کے مسلک کو چھیڑا نہ جائے" کے اُصول کو اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو غیر مقلدین اپنی تفسیر صرف غیر مقلدین حجاج کرام میں تقسیم کریں اور حکومتِ سعودیہ کو رواداری کا مظاہرہ کرتے ہُوئے احناف حجاج کرام میں احناف مفسرین کی تفاسیر تقسیم کرنے کا بندوبست کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے مسلک و مذہب پر قائم رہ کر اپنی بقیہ زندگی سکون و اطمینان سے گزار سکیں۔ اِس سلسلہ میں تفسیر عثمانی۔ تفسیر بیان القرآن تفسیر موضح القرآن اور تفسیر معارف القرآن جیسی تفاسیر میں سے کوئی تفسیر منتخب کی جاسکتی ہے۔ ہماری وزارتِ حج کو سعودی علماء اور حکمرانوں پر یہ بات واضح کرنی چاہیے کہ غیر مقلدین کی تفاسیر تقسیم کرنے سے ہمارے حجاج کرام کے جذبات مجروح ہوتے ہیں اِس سلسلہ میں احتیاط سے کام لیں اور غیر مقلدین کے ہاتھوں میں کھیل کر سوادِ اعظم احناف کے دلوں سے اپنی وقعت اور محبّت کو کم نہ کریں۔

جس طرح سعودی حکومت فقہ حنبلی کی پیروکار ہے اسی طرح برِّ صغیر پاک و ہند کے نوّے فیصد مُسلمان فقہ حنفی کے مقلد ہیں۔ آئمہ اربعہ کے تمام مقلدین اہلِ سُنّت والجماعت کا حصّہ ہیں۔ ہر فقہ کا مقلد دوسرے امام کا احترام و عزّت کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ آئمہ اربعہ کا باہمی اختلاف حق اور باطل کا نہیں بلکہ خطا و صواب کا ہے ایک حنفی جس مسئلہ پر عمل کرتا ہے اگر دوسرے آئمہ کرام کا اُس مسئلہ میں اختلاف ہے تو وہ پھر بھی اُن کو ماجور من اللہ مانتا ہے کیونکہ سُنّت کی تعیین کے سلسلہ میں اُنھوں نے اجتہاد تو کیا اور مخطی مجتہد بھی حدیث پاک کی رو سے ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے ہاں وہ اُس مسئلہ میں اپنے امام کو دو اجر کا حقدار جانتا ہے۔ ایک اجر اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اجر اجتہاد کے صحیح ہونے کا۔ اسی قسم کے جذبات اختلافی مسائل میں احناف کے بارہ میں حنابلہ موالک اور شوافع حضرات کے ہوتے ہیں تو معلوم ہُوا کہ

ائمہ اربعہ کو ماننے والے تمام لوگ اہلِ سُنّت والجماعت اور بھائی بھائی ہیں ان میں سے ہر ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے جائز ہے جبکہ غیر مقلدین کا فرقہ انگریز کے دَور کی پیداوار ہے جسے انگریز نے آزادیٔ مذہب کے نام پر مُسلمانوں کو باہم لڑانے اور مساجد میں دنگا فساد برپا کرنے کے لیے پیدا کیا تھا جیسا کہ "اہلِ حدیث اور انگریز" نامی کتاب میں دلائل سے واضح کیا گیا ہے۔

غیر مقلدین کے عقائد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی امام کی تقلید کرنا "شرک فی الرسالۃ" ہے اِس لیے نعوذ باللہ تمام مقلدین اِن کے نزدیک مُشرک قرار پاتے ہیں۔ اِن لوگوں نے سعودی عُلماء و حکام میں نفوذ حاصل کرنے اور اپنے مفادات کے حصول کی خاطر اپنی رفع یدین اور آمین بالجہر کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں اور سعودی عُلماء اور حکام کو احناف سے بدظن کرنے کے لیے اُن پر قبر پرستی اور بدعتی ہونے کے الزامات لگا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔ حالانکہ غیر مقلدین تو اہلِ سُنّت والجماعت کہلانے کے حق دار بھی نہیں ہیں کیونکہ اِس وقت اہلِ سُنّت والجماعت کا دائرہ آئمہ اربعہ کے مقلدین تک محدود ہے۔ یہی واحد فرقہ ہے جو احناف کی نماز نہیں مانتا اور دعوٰی کرتا ہے کہ بلا قرأۃ خلف الامام اور بغیر رفع یدین رکوع کسی کی نماز نہیں ہوتی اس لیے تمام احناف بے نمازی ہیں حالانکہ برِّصغیر پاک و ہند میں اسلام پھیلانے والے تمام بزرگانِ دین (مثلاً داتا صاحب، بابا صاحب، خواجہ صاحب، شاہ ولی اللہ، مجدد الف ثانی وغیرہ) حنفی تھے۔

پروفیسر صاحب نے مذکورہ بالا تفسیر کی تقسیم کے جواز کے لیے وہاں سے امام ابن تیمیہؒ کا فتوٰی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرکے اس تفسیر کو غیر متنازع ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ کام اگر کوئی غیر مقلد مولوی کرتا تو شاید وہ قابلِ اعتنا نہ ہوتا کیونکہ اُن کا کام ہی لوگوں کو آدھی بات بتانا آدھی بات چھپانا ہوتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اِن دو حوالوں کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے "ان دونوں باتوں سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو جاتا ہے اِس لیے اِس تفسیر پر اعتراض مناسب نہیں"۔

توجواباً گزارش ہے کہ مَیں نے تحریر کیا تھا کہ "اِس تفسیر کے پہلے صفحہ پر ہی لکھا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ورنہ نماز نہ ہوگی"۔ مفسّر کی عبارت سے فاتحہ کا وجوب لازم آتا ہے اور امام ابنِ تیمیہؒ کی مذکورہ عبارت سے صرف سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کا جواز ملتا ہے۔ بصورتِ دیگر امام تیمیہ بھی فرماتے "ورنہ نماز نہ ہوگی"۔ ایسے ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی جی میں پڑھنے کا ذکر ہے جس سے

اِس کا جواز ہی ثابت ہوتا ہے وجوب نہیں اور یاد رکھیے جی میں پڑھنے سے مُراد یہ ہے کہ آدمی دل میں پڑھے زبان حرکت نہ کرے۔ اس طرح پڑھنے کی گنجائش تو احناف کے ہاں بھی ہے کیونکہ امام کے پیچھے قراۃ منع ہے جس کا تحقق زبان کو حرکت دیے بغیر نہیں ہوسکتا۔ صاحب تفسیر کا دعویٰ تھا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی اور دلائل سے بہ مشکل سری نمازوں میں پڑھنے کا جواز ثابت ہُوا ہے۔ جناب پروفیسر صاحب اگر وجوب اور جواز کا فرق سمجھ لیں تو میری بات اُن کی سمجھ میں آجائے گی۔

اَب قارئینِ کرام سے درخواست ہے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے حق میں کوئی دلیل شرعی موجود نہ ہو۔ آئمہ اربعہ کے نزدیک دلائل شرعیہ بالترتیب چار ہیں۔ ۱۔ قرآنِ پاک ۲۔ سُنّت ۳۔ اجماع۔ ۴۔ قیاس۔ اور یاد رکھیے کہ قیاس شرعی کے ذریعے کوئی نئی بات ثابت نہیں کی جاتی بلکہ پوشیدہ مسئلہ کو قرآن و سُنّت کی روشنی میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قیاس مظہر ہے مثبت نہیں اور احناف کا مسئلہ قراۃ خلف الامام تو قرآن پاک اور سُنّت رسول اللہ سے ثابت ہے۔ پہلے نماز میں باتیں کرنا، سلام کا جواب دینا اور مختلف حرکات کرنا جائز تھیں اُس وقت مقتدی حضرات امام کے پیچھے قراۃ کر لیا کرتے تھے۔ جب قرآنِ پاک کی آیت اِذا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ نازل ہوئی (پارہ ۹ سورۃ اعراف) تو امام کے پیچھے قراۃ منع ہوگئی یہی آیت کریمہ احناف کا مستدل ہے گویا اِس مسئلہ میں قرآنِ پاک کا سایہ احناف کے سَر پر ہے۔ اِس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب قرآنِ پاک پڑھا جائے تو اُسے غور سے سُنو اور اگر نماز سری ہے امام کی قراۃ قابلِ سماع نہیں ہے تو پھر بھی خاموش رہو، بہت سے صحابہ کرام اور تابعین عظام اِس آیت کے شان نزول کے بارہ میں متفق ہیں کہ یہ نماز کے بارہ میں نازل ہوئی تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن جریر وغیرہ میں یہ بات صراحت سے ذکر ہے۔

پروفیسر صاحب کی تسلّی کے لیے چند ایک دلائل تحریر کردیے جاتے ہیں۔

؎ شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِهٖ تعالیٰ وَاِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ يَعْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ المفروضۃِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت وَاِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ الخ کا شانِ نزول فرضی نماز ہے۔ حوالہ: تفسیر ابن کثیر ص ۲۸ ج ۲، ابن جریر ص ۱۰۳ ج ۹، کتاب القراءۃ ص ۸۸

روح المعانی صہ ۱۵۰ ج ۹ ۔

۲- آیت مذکورہ کی یہی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ، حضرت سعید ابن مسیّب، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت حسن بصریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے بزرگوں سے بھی منقول ہے۔

۳- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خَطَبَنَا فَبَیَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلٰوتَنَا فَقَالَ اَقِیْمُوْا صفوفکم ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔ وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْن

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا۔ پس آپ نے ہمیں سُنّت کی تعلیم و تلقین فرمائی اور نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا پس حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ (نماز شروع کرنے سے پہلے) اپنی صفوں کو درست کرلو پھر تم میں سے ایک شخص تمہارا امام بنے۔ جب وہ (امام) تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو جب امام قراءۃ کرے تو تم خاموش رہو اور جب امام غیر المغضوب علیھم الخ کہے تو تم آمین کہو۔ (صحیح مسلم شریف صہ ۱۷۴ ج ۱، ابوداؤد شریف صہ ۱۴۰ ج ۱، ابن ماجہ صہ ۶۱، مشکوٰۃ شریف صہ ۸۱)

۴- عَنْ جَابِرِ ابْنِ عبد اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَأۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَأۃٌ ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہو تو اُس کے لیے امام کی قراءۃ کافی ہے۔ (ابن ماجہ صہ ۶۱)

میرا مقصد امام کے پیچھے قرأۃ نہ کرنے کے دلائل کا احاطہ کرنا نہیں ہے۔ صرف محترم پروفیسر صاحب کے ذہن میں یہ بات بٹھانا ہے کہ الحمدللہ جیسے دوسرے تمام مسائل میں دلائل شرعی موجود ہیں اسی طرح اس مسئلہ میں بھی احناف کے پاس قرآن پاک اور احادیث شریفہ کے بہت سے دلائل موجود ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام پر مقتدیوں کو اعتماد کرنا چاہیے اور امام کی قرأۃ کو اپنی قرأۃ سمجھنا چاہیے۔ ہاں اگر امام پر اعتماد نہیں ہے کہ شاید سری نمازوں میں خاموش کھڑا رہتا ہے اور قرأۃ نہیں کرتا تو پھر ایسے امام کو بدل دیں یا اکیلے نماز پڑھ لیا کریں اور بحمداللہ احناف کو اپنے آئمہ نماز پر سو فیصد اعتماد ہوتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں

بھی قرأة اپنے لیے اور اپنے مقتدیوں کے لیے کرتے ہیں۔ خاموش کھڑا نہیں رہتے۔ آخر میں جناب پروفیسر صاحب سے گزارش ہے کہ وہ "اپنا مسلک نہ چھوڑو اور دوسروں کا مسلک نہ چھیڑو" کے اُصول پر عمل پیرا ہوکر مطمئن زندگی گزاریں اور احناف پر اپنے عقائد و نظریات ٹھونسنے کی کوشش نہ کریں۔

؎ کہیں ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

کیونکہ میرے مخاطب غیر مقلدین نہیں بلکہ اربابِ اقتدار ہیں۔

مَیں ایک بار پھر اپنے وزیرِ حج و اوقاف جناب محترم محمود غازی صاحب اور وزارتِ حج کے دیگر ذمہ داروں سے دست بستہ التماس کرتا ہوں کہ ہم اہلِ سُنّت والجماعت احناف حجاج کرام کی مشکلات اور ذہنی پریشانیوں سے سعودی حکّام اور عُلماء کو مطلع کریں تاکہ وہ ان سب کا ازالہ فرماکر احناف اور حنابلہ میں پُرانا بھائی چارہ مضبوط کرنے کی کوشش کریں اور انُہیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے میں ممدو معاون ثابت ہوں۔ اس معاملہ میں جناب غازی صاحب پاکستان کے عُلمائے احناف سے رابطہ کرکے اُن کے خیالات سے بھی سعودی حکّام کو آگاہ کریں۔ میرا مقصد اصلاح احوال ہے فسادِ احوال نہیں۔ یقیناً ذات باری اصلاح احوال کی کوئی صورت پیدا فرمائیں گے۔ وَمَا ذالِكَ علی اللّٰہِ بعزیز۔

قارئین انوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ انوارِ مدینہ کے وہ ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ ارسال کیا جا رہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہُوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جو ایک دینی ادارہ سے وابستہ ہے اس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اور اس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہُوئے اپنا چندہ بھی ارسال فرمادیں اور دیگر احباب کو بھی اس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ جہاں اس سے ادارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے (ادارہ)

انتقال پر ملال

حضرت اقدسؒ بانی جامعہ مدنیہ جدید کے منجھلے داماد سیّد سلیم صاحب زیدی کے والد محترم جناب سیّد ادریس زیدی گزشتہ ماہ کی ۲۷ تاریخ بروز جمعہ ۹۱ برس کی عمر میں اچانک حرکت قلب بند ہوجانے سے وفات پا گئے۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون۔ مرحوم انتہائی عابد زاہد اور کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے اللہ کے نیک بندے تھے یہی وجہ تھی کہ اُن کی وفات قابلِ رشک ہوئی، جمعہ کے لیے غُسل سے فارغ ہوکر گھر پر مسجد میں جانے سے پہلے جمعہ کی سُنّتوں کی نیت باندھی اور رُوح پرواز کرگئی۔ اُن کا وجود پُورے خاندان کے لیے شجرِ رحمت تھا اپنے پرائے ہر کسی کے دُکھ درد میں شریک رہتے تھے

اللہ تعالیٰ مرحوم کی خیر و برکات کو خاندان کے لیے باقی رہنے کی صُورت پیدا فرمائے اُن کے پسماندگان بھائی سلیم صاحب اور ان کے سب برادران کو اس عظیم حادثہ پر صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت فرماکر آخرت کے بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین۔

○

۲۹ جولائی کو جناب نُور احمد صاحب کے چھوٹے بھائی اور جامعہ مدنیہ جدید کے ناظم ڈاکٹر امجد سلمہ کے چچا مشتاق احمد صاحب اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرماکر آخرت کے بلند درجات عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔ آمین

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ میں مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور دُعاء مغفرت کرائی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودمٍ لبنًا خالصًا سائغا للشربین

ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور خون ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے

مویشی پال حضرات کیلئے

خوشخبری

پاکستان میں پہلی بار بین الاقوامی معیار کے مطابق
خودکار مشینوں پر یکساں کوالٹی میں تیار کردہ ایگرووِنڈا

ایگرووِنڈا

- ایگرووِنڈا ہر اعتبار سے ایک متوازن اور مکمل خوراک ہے۔ جس کے استعمال سے جانوروں کے دودھ اور مکھن میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔
- ایگرووِنڈا کے روزانہ استعمال سے گائے اور بھینسوں کے دودھ دینے کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے۔ اور جانور نئے دودھ مناسب وقت پر ہو جاتے ہیں
- ایگرووِنڈا ہر قسم کی کھل سے بہتر ہے، کم خرچ اور جانوروں کی صحت کا ضامن ہے۔

ایگرو ایف ایف انڈسٹریز
برائے رابطہ: 454 شادمان کالونی I لاہور

PH: 042-7531747 - Mob: 0303-7551747, 0303-7564576 - Fax: 042-7533684-

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی امور

(1) مسجد حامد کی تکمیل

(2) طلباء کے لئے دارالاقامہ (ہوسٹل) اور درسگاہیں

(3) کتب خانہ اور کتابیں

(4) پانی کی ٹنکی

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اجر ہے

(ادارہ)

عُمدہ اور فینسی جِلد سازی کا عَظیم مرکز

نفیس بک بائنڈرز

NBB

ہمارے یہاں ڈائی دار اور لیمینیشن والی جلد بنانے کا کام انتہائی معیاری طور پر کیا جاتا ہے

نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی بکس والی جلد بھی خوبصورت انداز میں بنائی جاتی ہے

مُناسب نرخ پر معیاری جلد سازی کے لئے رجوع فرمائیں

۱۶۔ ٹیپ روڈ نزد گھوڑا ہسپتال لاہور ○ فون 7322408